مسئلہ قربانی
مع رسالہ
سیفِ یزدانی
تالیف
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم
مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم ۔ گھنٹہ گھر ۔ گوجرانوالہ

مسئلہ قربانی

مع رسالہ

سیفِ یزدانی

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ

طبع ہفتم ۔۔۔۔۔۔ ستمبر ۲۰۰۲ء

نام کتاب ۔۔۔۔۔۔ مسئلہ قربانی

مؤلف ۔۔۔۔۔۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم

تعداد ۔۔۔۔۔۔ ایک ہزار

مطبع ۔۔۔۔۔۔ مکی مدنی پرنٹرز

ناشر ۔۔۔۔۔۔ مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قیمت ۔۔۔۔۔۔ ۱۰ روپے

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی نمبر ۱۶ ☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ، بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان ☆ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

☆ مکتبہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور ☆ دار الکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ مینگورہ سوات

☆ مکتبہ العارفی جامعہ امدادیہ فیصل آباد ☆ مکتبہ امدادیہ حسینیہ پنڈی روڈ چکوال

☆ مکتبہ نعمانیہ بیر مارکیٹ لکی مروت ☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد ☆ مکتبہ رحمانیہ محلہ جنگی پشاور

☆ مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ ☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ

دیباچہ طبع دوم

(۱) اس مختصر سے رسالہ میں قرآن کریم اور صحیح احادیث اور تاریخ اسلام کے ٹھوس حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ قربانی حاجی اور حرم شریف کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ہر جگہ صاحب استطاعت مسلمان کے لیے اس کا حکم عام ہے اور منکرین قربانی نے بزعم خود عقلی اور نقلی جو دلائل پیش کیے تھے، ان کا تانا بانا بھی عرض کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے، کہ ان میں ایک بات کے اندر بھی وزن نہیں ہے۔

(۲) نیز دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، کہ قربانی کے دن صرف تین ہی ہیں۔ اور یہی آئمہ ثلاثہؒ اور جمہور سلف و خلفؒ کا مسلک ہے۔ اور غیر مقلدین حضرات نے اس کے خلاف جو دلائل قربانی کے چار دن ہونے پر پیش کئے ہیں ان کی حقیقت بھی روایۃً اور درایۃً واضح کر دی گئی ہے۔

(۳) غیر مقلدین حضرات کی طرف سے ہمارے اس رسالہ کے جواب میں ایک رسالہ لکھا گیا تھا جس کا نام "اَیَّامِ قُرْبَانی" تھا۔ ہماری طرف سے اس کے جواب الجواب میں ایک چھوٹا رسالہ شائع ہوا تھا جس کا نام "سیف یزدانی" ہے جس کا کوئی جواب تادم تحریر ہماری نظر سے نہیں گذرا، اس لیے ہم نے "ایامِ قربانی" کا جواب زیر نظر رسالہ میں دینے کی سعی نہیں کی، بلغیر دو تین حوالوں کے ہم نے اس رسالہ کو جوں کا توں رہنے دیا ہے۔

ابوالزاہد محمد سرفراز
خطیب جامع گکھڑ و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَجْمَعِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اس کتابچہ میں ہم نے دو باب قائم کئے ہیں۔ پہلا باب قربانی کے بنیادی پہلو سے متعلق ہے۔ اور دوسرا اس کے فرعی گوشہ سے وابستہ ہے۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ نہایت غور وفکر سے اس کو پڑھیں اور دلائل کی صحت وسقم کو پرکھیں۔

◎

باب اوّل

کچھ عرصہ ہوا، کہ منکرین حدیث جن کے سربراہ پاکستان میں مسٹر غلام احمد صاحب پرویز ہیں جن پر اب پاکستان کے ہر مسلک و ہر مکتبِ فکر کے ایک ہزار علماء نے متفقہ کفر کا فتوٰی لگایا ہے۔ اہالیانِ پاکستان کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش اور سعی کر رہے ہیں۔ کہ دینِ اسلام کی صحیح صورت اور شکل وہ نہیں ہے، جو احادیث میں بیان ہوئی ہے، اور جس کو علمائے کرام پیش کر رہے ہیں، بلکہ پہلے تو احادیث کا وجود ہی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بالفرض کوئی حدیث ثابت ہو بھی جائے تو اس کی حیثیت محض ایک تاریخی واقعہ کی ہوگی جس کے تسلیم و انکار سے کسی کے مسلمان اور مومن ہونے پر مطلقاً کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اور اس بے بنیاد اور محض باطل دعوٰی سے ان کا مقصد صرف یہ ہے، کہ حدیث رسول کو تسلیم کرنے کے بعد پابندی کی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے اور حدیث کا ذخیرہ تسلیم کر لینے کے بعد اپنی خواہشات کی تکمیل ناممکن ہے، لہٰذا حدیث کے انکار کے بعد اپنی مرضی کے مطابق اس پر گوشت اور پوست چڑھا کر صرف مادی نقطۂ نگاہ سے محض اتنا ہی اسلام ان کو درکار ہے جس سے پاکستان جیسی اسلامی مملکت میں ان کو کرسی اور ملازمت مل سکے اور بس، ورنہ وہ سِرے سے اسلام کے اس گرانبار طوق کو گردن سے اتارنے کے درپے ہیں، اور حدیث کا انکار بھی محض اس لیے کرتے ہیں کہ۔

ع ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

اور چونکہ احادیث کو امت تک پہنچانے کا ذریعہ عالمِ اسباب میں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، محدثینؒ و فقہائے عظامؒ ہیں، اس لیے منکرین حدیث ان کی مسلّم ثقاہت و عدالت، امانت و دیانت، ضبط و اتقان، حفظ و کتابت کو بھی مجروح کر لے، اور ان پر برسنے کو اپنی اس ناپاک تحریک کا کامیاب سبب

سمجھتے ہیں۔ اور ان کی تمام دینی خدمتوں اور قربانیوں کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ کہ الامان والحفیظ ، اور ان پر اس کڑی جرح کا مقصد بھی صرف یہ ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، کہ جب یہ محدثینؒ اور فقہاءؒ ہی قابلِ اعتماد نہ رہے تو حدیث کیسے ثابت ہوگی؟ لیکن اس خواہش زدہ طبقے نے مطلق غور نہ کیا۔ کہ اگر درمیان کی یہ کڑی مخدوش ہے، تو قرآن کریم ان کی دست وبرد سے کیونکر محفوظ رہا ہوگا؟ یا ان کا پیش کردہ قرآن حجت کیسے ہوسکتا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن عالم اسباب میں یہی لوگ اس کی حفاظت کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں کسی نے الفاظ یاد کئے۔ تو کسی نے لغات یاد کیں، تو کسی نے اسباب نزول۔ حقیقت یہ ہے کہ درمیان کی اس کڑی کو تسلیم کئے بغیر دین کا کوئی ایک حکم بھی ثابت نہیں ہوسکتا، مگر افسوس ہے کہ ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے　　　پیدا کئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

جن مسائل کو اس خواہش زدہ طبقے نے اپنی تحقیق کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے ان میں ایک قربانی کا مسئلہ بھی ہے۔ چنانچہ ان کے رسالہ طلوع اسلام (جو درحقیقت غروب اسلام ہے) کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے

"پھر تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے، کہ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی مدینہ میں قربانی نہیں دی حج ۹ ھ میں فرض ہوا۔ حضور اس سال خود تشریف نہیں لے گئے لیکن اپنی طرف سے کچھ جانور امیر کارواں حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ کر دیئے۔ کہ وہاں مصرف میں لائے جائیں۔ اگلے سال حضور خود حج کے لیے تشریف لے گئے" اور وہیں جانور ذبح کئے۔ لہٰذا ہر جگہ قربانی دینا نہ حکم خداوندی ہے نہ سنتِ ابراہیمی اور نہ ہی سنت محمدی"۔ (طلوع اسلام صہ ۳۰ بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۹ء)

لیکن اس طبقہ نے یہ نہ غور کیا۔ کہ قربانی تقویٰ، ورع اور تقرب خداوندی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، اور اس میں صرف مادی نقطۂ نظر ہی ملحوظ نہیں ہے بلکہ یہ ایک اعلیٰ درجہ کی روحانی عبادت ہے۔ جس سے متقی اور غیر متقی کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے وہ دو فریق جن کے مقبول اور مردود ہونے کے لیے مابہ الامتیاز علامت اور نشانی قائم کی گئی۔ اور ان کا امتحان لیا گیا تھا۔ وہ یہی قربانی تھی۔ قرآن کریم کے اس واقعہ سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہوگا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام

کے دو بیٹوں (ہابیل وقابیل) نے اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ الآیۃ جب قربانی کی تو ایک کی قربانی کو درجہ قبولیت حاصل ہوا، اور دوسرا ناکام رہا۔ اور جس کی قربانی قبول ہوئی وہ متقی کہلایا، اور دوسرا خاسرین میں جا ملا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پرہیز گار اور غیر متقی کے امتحان کے لیے قربانی سے بڑھ کر کوئی اور مقبول اور پسندیدہ علامت ہوتی۔ تو یقیناً وہ اختیار کی جاتی۔ اور قرآن کریم ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ عرصہ دراز تک اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی صداقت کی ایک دلیل اور معجزہ قربانی کو مقرر کیا تھا۔ چنانچہ اہل کتاب کا حوالہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ	وہ لوگ جنوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ہم سے عہد
لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ	کیا ہے۔ کہ ہم کسی رسول کی تصدیق نہ کریں۔ تا وقتیکہ
(پ ۴، آل عمران، رکوع ۸۹)	وہ ایسی قربانی نہ پیش کرے جس کو آگ جلا ڈالے۔

اس آیت کے آخری حصہ میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ یہ قربانی واقعی انبیاء کی صداقت پر دلیل ٹھہرائی گئی تھی۔ اور یہود میں بھی اس قربانی کا وجود تھا چنانچہ یہود اپنے بچوں اور مال مویشی کی صحت اور سلامتی کے لیے قربانی کرتے تھے چنانچہ توراۃ میں ہے، اور تو مٹی کی ایک قربان گاہ میرے لیے بنایا کرنا اور اس پر اپنی بھیڑ بکریوں اور گائے بیلوں کی سوختنی قربانیاں اور سلامتی کی قربانیاں چڑھانا۔" (توراۃ خروج باب ۲، آیت ۲۴) اور اسی تقرب الٰہی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو گویا اپنی طرف سے ذبح کر دیا تھا، مگر اللہ تعالےٰ نے ان کے اس خلوص و ایثار کو قبول کرتے ہوئے ذبح عظیم کا فدیہ قبول کر لیا، جو ایک مینڈھے کی شکل میں ظہور ہوا تھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بسند صحیح مروی ہے (مستدرک ۲ صلا۳۳)

یہ الگ بات ہے۔ کہ ہر قربانی خلیل اللہ کی سی قربانی نہ ہو سکے۔ کیونکہ ۔

تری ذبح ذبح عظیم کی ہو مثیل کیونکر خلوص میں
نہ خلیل کا سا ہے دل ترا نہ ذبیح کا سا گلا ترا

اور اسی تقرب خداوندی کے حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (پ۸، انعام، ۲۰ رکوع)

آپ کہہ دیجئیے کہ بے شک میری نماز میری قربانی، اور میری زندگی، اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) اپنی بلند پایہ تفسیر میں نُسُکِی کے جملہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:-

وَنُسُکِیْ الاضحیۃ لانھا تسمّٰی نسکاً وکذلک کل ذبیحۃ علی وجہ القربۃ الی اللہ تعالیٰ فھی نسک (احکام القرآن جلد ۳ ص۳۴)

نُسُکِی سے مراد قربانی ہے اس لیے کہ اس کو نُسُک بھی کہا جاتا ہے اور اسی طرح ہر وہ قربانی جو محض تقرب خداوندی کے لیے کی جائے اس کو بھی نُسُک کہا جاتا ہے۔

اور عمدۃ المفسرین حافظ ابن کثیر الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ

عَنْ سعید بن جبیرؒ وَنُسُکِیْ قال ذبحی وکذا قال السدیؒ والضحاکؒ (تفسیر جلد ۲ ص۱۹۸)

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ نُسُکِی سے مراد یہ ہے کہ میری قربانی اور اسی طرح سدیؒ اور ضحاکؒ نے بھی فرمایا۔

اور امام محمد بن جریر الطبریؒ (المتوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہدؒ حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت قتادہ، حضرت سدی کبیرؒ اور حضرت ضحاک بن مزاحمؒ سب یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں وَنُسُکِیْ سے قربانی مراد ہے (تفسیر ابن جریر جلد ۸ ص۱۱۷)

اور فرمایا کہ۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ (پ ۳۰، الکوثر)

... سو آپ نماز پڑھئے اللہ کے لیے اور قربانی کیجیے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت حسنؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عکرمہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ:-

فاذبح یوم النحر (سنن الکبریٰ ص۲۵۹)

آپ عید کے دن قربانی کیجیے۔

اور حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

قال ابن عباسؓ وعطاً ومجاھد وعکرمة والحسن یعنی بذٰلك نحر البدن ونحوھا وکذا قال قتادة ومحمد بن کعب القرظی والضحاك والربیع وعطاء الخراسانی والحکم وسعید بن ابی خالد وغیر واحد من السلف ام (تفسیر جلد ۴ ص۵۵۸)

حضرت ابن عباسؓ، عطاءؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ وانحر سے اونٹ وغیرہ کی قربانی مراد ہے اور اسی طرح قتادہؒ، محمد بن کعب القرظیؒ ضحاکؒ، ربیعؒ، عطاء خراسانیؒ حکمؒ، سعید بن ابی خالدؒ اور بے شمار سلف صالحین نے کہا ہے۔

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان تمام اکابر کے نزدیک وانحر سے قربانی مراد ہے اور ان کے نزدیک یہ قربانی نہ حرم سے مقید ہے اور نہ حاجی سے مخصوص ہے قرآن کریم کی ان دو آیتوں اور ان کی تفسیر میں ذکر کردہ اقوال سے جو حبر الامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر اکابر تابعینؒ اور اتباع تابعینؒ سے باحوالہ منقول ہیں، بالکل یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قربانی تمام صاحب استطاعت مسلمانوں کا ایک اسلامی فریضہ ہے۔ حرم اور حاجی کی اس میں کوئی تخصیص نہیں جیسا کہ منکرین حدیث کا باطل اور بے بنیاد دعوے ہے۔

نماز اور قربانی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور امت کا ایک حکم ہے۔ اس آیت میں مطلق قربانی کا ذکر ہے۔ نہ حاجی کی تخصیص ہے، نہ مکہ مکرمہ اور حرم شریف کی، اور اس سے بڑھ کر اور کیا بے دینی ہو سکتی ہے۔ کہ قرآن کریم کے عام اور مطلق حکم کو محض اپنی آزادی فکر اور تکمیل خواہش کے لیے مخصوص اور مقید کر دیا جائے۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب:۔

منکرین حدیث جو عوام الناس کو یہ باور کرانے کے لیے جا بیٹھتے ہیں کہ قربانی صرف حج کے موقع پر حاجی ہی کر سکتا ہے اور اس پر وہ سورۂ حج اور سورۂ بقرہ وغیرہ کی آیات پیش کرتے ہیں جن میں حاجی کی قربانی کا ذکر ہے بلاشک ان آیات میں حاجی ہی کی قربانی کا ذکر ہے لیکن ہم نے

جو دو آیتیں بالتفسیر پیش کی ہیں ان میں مطلق قربانی کا ذکر اور حکم ہے جو تمام صاحبِ نصاب مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے، قرآن کریم کا یہ حکم ہرگز نہیں کہ اس کے ایک حکم کو تو تسلیم کر لیا جائے اور دوسرے سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لی جائیں اور ایسے ہی بدباطن لوگوں کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ الآیۃ

منکرین قربانی نے اپنی عقلِ نارسا سے کام لیتے ہوئے بزعم خود قربانی کے مضرات اور نقصانات اور ترک قربانی کے فوائد بیان کئے ہیں مثلاً یہ کہا ہے کہ قربانی کرنے کی وجہ سے جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے اور لوگوں کی رقمیں بلا وجہ ضائع ہوتی ہیں اگر یہ رقوم رفاہ عامہ کے کسی مفید کام میں صرف کی جائیں تو کیا ہی اچھا ہو وغیرہ وغیرہ مگر یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو جو حکیم علی الاطلاق ہے اور اس کا کوئی حکم عقل کے خلاف اور خالی از حکمت نہیں ہوتا محض ان طفل تسلیوں سے کیونکر رد کیا جا سکتا ہے؟ کیا اس کو قربانی کا حکم دیتے وقت یہ معلوم نہ تھا کہ قربانی سے جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے اور اس کے یہ یہ نقصانات ہیں؟ رب تعالیٰ کے صریح احکام میں معاذ اللہ کیڑے نکالنا کونسا ایمان ہے؟ اور پھر جناب خاتم الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح اور صریح قولی و فعلی اور امت مسلمہ کے عمل کو جو تواتر سے ثابت ہوا ہے خلاف عقل یا مضر بتانا کون سا دین ہے علاوہ ازیں ایک بات نہایت ہی قابلِ غور ہے وہ یہ کہ منکرین قربانی یہ کہتے اور مانتے ہیں کہ قربانی صرف حاجی کے لیے ہے جو نقصان حاجی کی قربانی میں ہو سکتا یا ہوتا ہے وہ غیر حاجی اور غیر حرم کی قربانی میں متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ آج اس دور تہذیب و تمدن میں بھی جب کہ مختلف طُرق سے گوشت کو خشک کر کے دیر تک محفوظ رکھا جا سکتا ہے، اور اگرچہ سعودی حکومت نے کچھ معمولی سا برائے نام انتظام کیا بھی ہے مگر بایں ہمہ لاکھوں جانور کیا اونٹ اور کیا بکریاں، کیا بھیڑیں اور کیا دُنبے قربانی کے بعد مقام منیٰ میں پڑے رہتے ہیں اور ان کو کوئی کھانے اور اٹھانے والا نہیں ہوتا نہ تو ان کا چمڑا کار آمد ہو سکتا ہے اور نہ ہی گوشت۔ کیا منکرین حدیث کی باطل منطق کے رُو سے اِس نقصان دِہ کام کو بھی بیک جنبش قلم روک نہ دیا جائے؟ اور لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے بچا کر رفاہِ عامہ کے کسی کام پر صرف نہ کر دیے جائیں۔ یا طلوع اسلام جیسا کوئی ادارہ ہی قائم نہ کر دیا جائے جو دین کی ایسی خدمت کرے کہ الامان۔

نہ عمل۔ اس منطق کے رُو سے تو ضرور حاجی کی قربانی کو موقوف کر دینا چاہیئے کیونکہ غیر حاجی کی قربانی اتنی مضرت رساں نہیں ہے اِس لیے کہ نہ تو ان کے چمڑے اور کھالیں کوئی بیکار چھوڑتا ہے اور نہ گوشت رائیگاں جاتا ہے۔ لہذا مفید چیز کو تو باقی رہنا چاہیئے اور نقصان دہ چیز کو ختم کر دینا چاہیئے۔

کیا منکرین حدیث اپنے مقدمات کے اس منطقی نتیجہ کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ ہیں؟ دیدہ باید۔ لیجیے! ہم آپ کو نہایت مختصر طریقہ پر چند ایسی حدیثیں سناتے ہیں، جن کو پڑھنے کے بعد آپ کو یہ امر بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ کہ قربانی نہ حاجی کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ مکہ مکرمہ کے ساتھ (ہم روایات اور احادیث کا صرف وہ حصہ بیان کریں گے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے)۔

(۱) حضرت ابوسعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یا اَھْلَ المدینۃ۔ اے مدینہ میں بسنے والو! قربانی کا گوشت تم تین دن کے بعد نہیں کھا سکتے (مسلم جلد ۲ صہ ۱۵۸ و مستدرک ۴ صہ ۲۳۲)

یہ تین دن کی تخصیص صرف ایک سال ایک خاص اور معقول وجہ کی بنا پر تھی۔ اور بعد کو اس سے زیادہ کی اجازت بھی مل گئی تھی۔ جیسا کہ انہی روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ ہم قربانی کے گوشت کو نمک لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بالمدینۃ مدینہ طیبہ میں پیش کیا کرتے تھے (بخاری صہ ۸۳۵)

(۳) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ہمیں عید کی نماز پڑھائی۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا۔ کہ بعض لوگوں نے نماز عید سے قبل ہی قربانی کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں دوبارہ قربانی کرنا ہوگی۔ (مسلم جلد ۲ صہ ۱۵۵)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں کبھی اونٹ کی قربانی کی۔ اور کبھی بھیڑ اور بکری کی (سنن الکبریٰ ۹ صہ ۲۷۲)

(۵) حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے مدینہ طیبہ میں دو مینڈھے قربانی دیے (بخاری ا صہ ۲۳۱)

(۶) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ مدینہ طیبہ میں قربانی کے دنوں میں ایک کثیر تعداد قافلہ آیا۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ تین دن سے زائد گوشت اپنے گھروں میں نہیں رکھا جائے گا باقی سب ان قافلہ والوں میں تقسیم کر دو۔ (موطا امام مالک صہ ۱۸۸)

(۷) حضرت ابوزید انصاریؓ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار (مدینہ) کے گھروں میں سے ایک گھر کے سامنے سے گذر رہے تھے کہ آپ کو گوشت کی خوشبو محسوس ہوئی۔ آپ نے حضرت ابوبردہ بن نیارؓ کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ ایک انصاریؓ نے نماز عید سے قبل ہی قربانی کرلی ہے۔ چنانچہ حضور نے اس کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ صہ ۲۳۵)

(۸) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں اپنے ہاتھ مبارک سے اونٹوں کی قربانی دی۔ اور اپنے ہاتھ سے وہ ذبح کئے۔ (نسائی جلد ۲ صہ ۱۵۹)

(۹) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پورے دس سال مدینہ طیبہ میں اقامت پذیر رہے۔ اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی ج ۱ صہ ۱۸۲ و مشکوٰۃ صہ ۱۲۹) بلکہ فیلسوف اسلام علامہ ابن رشدؒ (المتوفی ۵۹۵ھ) لکھتے ہیں کہ۔

انہ لم یترك رسول الله صلی الله علیه وسلم اضحیته ثم قال یا ثوبانؓ اصلح لحم هذه الضحیته قال فما زال اطعمه حتی قدم المدینة. (بدایۃ المجتہد جلد ۱ صہ ۳۱۵)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ آپ سے روایت کیا گیا ہے کبھی قربانی ترک نہیں کی حتی کہ سفر میں بھی آپ نے ترک نہیں کی جیسا کہ حضرت ثوبانؓ کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے قربانی کی پھر فرمایا کہ اے ثوبانؓ اس قربانی کا گوشت ٹھیک کرکے پکاؤ چنانچہ میں مدینہ طیبہ تک آپ کو کھلاتا آیا (مسلم)

(۱۰) حضرت علیؓ ہر سال دو جانور قربانی دیا کرتے تھے۔ ایک اپنی طرف سے، اور ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حکم دیا ہے۔ کہ جب تک زندہ رہوں، آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں (مستدرک ج۴ صہ ۲۲۹)

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربانی دیئے۔ اور فرمایا کہ ایک میری طرف سے اور ایک میری امت کے اُن افراد کی طرف سے جنہوں نے توحید و رسالت کا اقرار کیا ہوگا۔ لیکن قربانی کی استطاعت نہیں رکھتے ہوں (مستدرک ج۴ صہ ۲۲۸)

ظاہر بات ہے کہ ہر اُمتی کو نہ مکہ مکرمہ پہنچنے کی استطاعت حاصل ہے، اور نہ حج کرنے کی مگر قربانی کے ثواب میں ان کو بھی شریک کیا گیا ہے۔

(۱۲) حضرت سعدؓ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوچہ اور گلی کے کنارہ پر اپنے ہاتھ سے قربانی کی جو بنو زریق (انصار مدینہ کا مشہور قبیلہ تھا) کے راستہ پر واقع ہے۔ (ابن ماجہ)

(۱۳) حضرت عاصم بن کلیبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم فارس کے علاقہ میں دشمنوں سے جنگ کر رہے تھے۔ اور ہمارے جرنیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے چنانچہ ہمیں یہ پریشانی لاحق ہوئی۔ کہ قربانی کے دن آ گئے ہیں اور ہمیں سال بھر عمر کی بکریاں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ تو حضرت مجاشع بن مسعودؓ نے فرمایا۔ اگر بکریاں نہیں مل سکتیں۔ تو کیا حرج ہے۔ میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ کہ چھ ماہ سے زائد عمر کے دنبہ کی قربانی بھی جائز ہے۔ سو اس کی قربانی کر لو (مستدرک ج۴ صہ ۲۲۶، نسائی جلد ۲ صہ ۱۸۱ وسنن الکبریٰ ج۹ صہ ۲۷۰)

(۱۴) حضرت ابو امامہ بن سہلؓ فرماتے ہیں۔ کہ ہم مدینہ طیبہ میں قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح پالا کرتے تھے (بخاری ج۲ صہ ۸۳۳)

حضرات! خوف ہے۔ کہ آپ کہیں اکتا نہ جائیں، ورنہ ابھی بہت سی روایتیں اس امر کے ثبوت کے لیے پیش کی جا سکتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے مدینہ طیبہ، فارس، اور دیگر تمام اسلامی ممالک میں باقاعدہ قربانی کی ہے اور تواتر کے ساتھ اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اور ایسے تواتر کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ آپ ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے طلوع اسلام کا باطل اور خالص بے بنیاد دعوے ملاحظہ

کیجیے۔ کہ پھر تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مدینہ میں قربانی نہیں دی ۔ یہ کس قدر بہتان اور سفید جھوٹ ہے۔ الغرض قربانی کا امر حکمِ خداوندی بھی ہے۔ اور سنتِ ابراہیمی بھی ، اور سنتِ محمدی بھی ، صلی اللہ علیہ وعلیٰ ابراہیم وسلم اور لطف کی بات یہ ہے۔ کہ یہ مسئلہ ان کتب احادیث سے ثابت ہے۔ جو مسلمانوں کے نزدیک تواتر سے نقل ہوتی آرہی ہیں اور یہ صحیح حدیثیں ہیں۔ اور منکرین حدیث کے ہاں ان کا درجہ تاریخ کا ہے۔ چنانچہ طلوع اسلام میں لکھا ہے کہ

"جو احادیث اس طور پر (کہ قرآن کے مطابق ہوں) پرکھی جائیں۔ ان کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ ہمارے ہاں قابلِ اعتماد تاریخ دین ہے" (طلوع اسلام ص۳۸۔ ماہ اکتوبر ۴۹ء)

الحمد للہ کہ قرآن کریم کے بعد اسی قابلِ اعتماد تاریخ دین سے بھی یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ قربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مدینہ طیبہ اور فارس وغیرہ میں کی ہے اور اب بھی کرتے ہیں۔ اور تا قیامت کریں گے انشاء اللہ العزیز یہ مسئلہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے اور ہم نے ان احادیث کو بھی قرآن کریم کی روشنی میں پرکھ کر دیکھا تو وہ صحیح ہی نکلیں اور اس قابلِ اعتماد تاریخ دین سے بھی وہی کچھ ثابت ہوا جو قرآن کریم کی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

منکرین قربانی کا آخری حربہ

قربانی کا انکار کرنے اور اسے بالکل موقوف کرنے والے حضرات میں سے جو قدرے سلجھے ہوئے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ قربانی کی متواتر احادیث اور امت کے تعامل کا انکار کرنا نہایت مشکل ہے انہوں نے اس کو بزعم خود معطل کرنے کا ایک اور طریق اختیار کیا ہے وہ یہ کہ مسئلہ قربانی میں فقہی طور پر فقہاء اسلام کا اختلاف ہے کہ آیا قربانی واجب ہے یا سنتِ مؤکدہ ، جمہور فقہاء اسلام اس کو غیر واجب قرار دیتے ہیں اور علماء حنفیہ وغیرہ اس کے وجوب کے قائل ہیں منکرین قربانی نے (مثلاً ملاحظہ ہو رسالہ نصرت لاہور مئی ۹۶۲ اء صہ ۲۲ تا صہ ۲۳ مضمون از رحمت اللہ صاحب طارق المتولد ۱۹۲۹ء) فقہاء کرامؒ کے باحوالہ ایسے اقوال اور عبارات نقل کر کے قارئین کو یہ باور کرانے

کی کوشش کی ہے کہ قربانی تو سرے سے واجب ہی نہیں تو پھر قربانی پر اتنا زور دینا کیونکر صحیح ہے؟ علاوہ ازیں اگر یہ سنت بھی ہو تو یہ ایسی سنت ہے جس کا ترک کرنا خطا نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ قربانی پر اتنا اصرار کیا جاتا ہے؟ (محصلہ) چنانچہ عدم وجوب پر علامہ ابن حزم الظاہری (المتوفی ۴۵۶ھ) کا یہ حوالہ پیش کیا ہے کہ

ولا یصح عن احد من الصحابۃ ان الاضحیۃ واجبۃ ۔ وھذا مماخالف فیہ الحنفیون جمہور العلماء (محلی ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۳۵۸)	صحابہ کرام میں کسی سے یہ ثابت نہیں کہ قربانی واجب ہے ۔ اور یہ وجوب کا حکم ایسا ہے جس میں علماء احناف نے جمہور علماء کی مخالفت کی ہے ۔

لیکن علامہ ابن حزم کا یہ ارشاد کہ قربانی کے وجوب کے صرف احناف ہی قائل ہیں اور باقی جملہ فقہاء اس کے خلاف ہیں ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ احناف کے علاوہ بھی بہت سے ائمہ اس کو واجب کہتے ہیں چنانچہ حضرت امام نووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) اور قاضی شوکانی غیر مقلد (المتوفی ۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ

وقال ربیعۃ والاوزاعی وابوحنیفۃ واللیث ھی واجبۃ علی الموسر وبہ قال المالکیۃ وقال النخعی واجبۃ علی الموسر الا الحاج بمنیٰ اھ (نووی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۳ ونیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۱۰۶)	امام ربیعۃ الرائےؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابوحنیفہ اور امام لیث بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب ہے ہر ایسے شخص پر جو مالدار ہو اور بعض مالکی فقہاء بھی اس کے قائل ہیں اور امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ مالدار پر قربانی واجب ہے مگر حاجی پر مقام منیٰ میں واجب نہیں ہے ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) اپنے فتاویٰ میں اور علامہ بدرالدین البعلی الحنبلیؒ (المتوفی ۷۷۸ھ) فرماتے ہیں کہ

وفی وجوب الاضحیۃ قولان لاحمد ومالک وغیرھما (مختصر الفتاویٰ	قربانی کے واجب ہونے میں امام احمدؒ اور امام مالکؒ وغیرہ کے دو قول ہیں ایک قول میں واجب

المصریۃ ص۵۲۲   ہے اور دوسرے میں نہیں)

اور امام ابوسلیمان احمد بن محمد الخطابی الشافعیؒ (المتوفی ۳۸۸ھ) نے امام ابراہیم نخعیؒ کا قول بھی وجوب قربانی کا نقل کیا ہے (معالم السنن جلد ۴ ص۹۴) اور حافظ ابن رُشد المالکیؒ نے امام مالکؒ کی ایک روایت وجوب کی نقل کی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے (بدایۃ المجتہد جلد ۱ ص۴۱۵) (الغرض علامہ ابن حزمؒ کا قول کہ قربانی کے وجوب کے صرف حنفی ہی قائل ہیں اور باقی ائمہ ان سے اختلاف رکھتے ہیں درست نہیں ہے جس طرح حنفی وجوب کے قائل ہیں اسی طرح بعض دیگر اکابر ائمہ کرامؒ بھی وجوب کے قائل ہیں اور جو حضرات قربانی کو غیر واجب کہتے ہیں ان کی مراد بھی یہ ہرگز نہیں کہ قربانی نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے اور خاص طور پر اس کو ہلکا سا حکم سمجھ کر اس پر اعتراض کرنا اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے اور کیوں اس کا کوئی قائل ہو جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بھی قربانی ترک نہیں کی واجب نہ سہی اس کے سنت مؤکدہ ہونے میں کیا کلام ہے؟ چنانچہ حافظ ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

فانہ کان صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یدع الاضحیۃ۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کبھی ترک نہیں کی۔

(زاد المعاد جلد ۱ ص۲۲۶)

اور علامہ محمد بن اسماعیل الصنعانی۔ الامیر الیمانی غیر مقلدؒ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

ذھب الجمھور من الصحابۃ والتابعین والفقھاء الی انھا سنۃ موکدۃ اھ	جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور فقہا اس کے قائل ہیں کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے۔

(سبل السلام جلد ۲ ص۱۳۲)

اور امام ابن رُشد المالکیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۱ ص۴۱۵)

اور شیخ الاسلام محمد بن علی المعروف بابن دقیق العید الشافعیؒ (المتوفی ۷۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

لاخلاف ان الاضحیۃ من شعائر الدین (احکام الاحکام جلد ۲ صـ۱۰) اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شعائر دین میں سے ہے۔

اور قاضی شوکانیؒ علامہ ابن حزمؒ سے نقل کرتے ہیں کہ:

ولاخلاف فی کونہا من شرائع الدین (نیل الاوطار جلد ۵ صـ۱۱۱) اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قربانی دین کے محکم احکام میں سے ہے۔

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ بلاشک فقہی نقطۂ نظر سے قربانی کے بارے میں اختلاف ہے بعض اکابر ائمہ دین اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور بعض اس کو وجوب کا درجہ نہیں دیتے بلکہ سنت کہتے ہیں مگر جو حضرات اس کو سنت کا درجہ دیتے ہیں وہ بھی محض لفظ سنت پر اکتفار نہیں کرتے بلکہ سنت مؤکدہ، شعائر دین اور شرائع دین سے اسے تعبیر کرتے ہیں یہ محض نزاع لفظی ہے عمل کے لحاظ سے واجب اور شعائر دین کا ایک ہی نکلتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کبھی ترک نہیں کی لہٰذا فقہاء کرام کے اس فقہی اور لفظی اختلاف سے بھی منکرین قربانی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ قربانی کے شعائر دین میں سے ہونے کا کوئی منکر نہیں ہے ؎

قفس میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا
آخر کو دونوں ہم ور جاناں پہ جا ملے

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایسی سنت کا ترک کرنا خطا اور ایک گونہ گناہ ہے جس کا ثبوت کسی قطعی دلیل سے ہو چکا ہو اور جس کا ادا کرنا ضروری ہو۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

السنۃ سنتان سنۃ فی فریضۃ وسنۃ فی غیر فریضۃ فالسنۃ التی فی الفریضۃ اصلہا فی کتاب اللہ تعالیٰ اخذہا ھدی وترکہا ضلالۃ

سنت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ سنت ہے جس کا کرنا لازم ہے اور ایک وہ سنت ہے جو ایسی نہ ہو جس سنت کا کرنا لازم ہے وہ ایسی سنت ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں موجود

والسنۃ التی اصلہا لیس فی کتب اللّٰہ تعالیٰ الاخذ بہا فضیلۃ وترکہا لیس بخطیئۃ (رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد صحیح الجامع الصغیر ۲۸)

جو اس پر عمل کرنا باعثِ ہدایت اور اس کا ترک کرنا گمراہی ہے اور دوسری وہ سنت ہے جس کی اصل کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اس کو لینا فضیلت کا موجب ہے اور اس کو ترک کرنا کوئی خطا نہیں۔

قربانی ایک ایسی سنت ہے جو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے (جس کے کچھ دلائل پہلے باحوالہ عرض کئے جاچکے ہیں) لہٰذا اس کا ترک کرنا یقیناً گمراہی اور ضلالت ہے اور اس پر عمل کرنا تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور قربانی کے مسئلہ کو معمولی سمجھ کر اس سے پہلوتہی اور اعراض کرنا تو ایک نہایت مذموم نظریہ ہے جس کی جتنی بھی تردید کی جائے کم ہے جن علماء اسلام نے قربانی کے غیر واجب ہونے پر اپنی تحقیق کے رُو سے دلائل پیش کئے ہیں ان میں پیش پیش علامہ ابن حزم الظاہری ہیں لیکن اس بات کو انہوں نے بھی واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ قربانی فقہی درجہ میں واجب نہیں یعنی اگر کوئی شخص اس کو ترک کرے تو تارک واجب اور شرعی سزا کا مستوجب تو نہیں ہوگا لیکن جب کہ استخفاف اعراض اور پہلوتہی اس میں شامل نہ ہو چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:

الاضحیۃ سنۃ حسنۃ ولیست فرضاً ومن ترکہا غیر راغب عنہا فلا حرج علیہ فی ذٰلک۔ (محلی جلد ۷ ص ۳۵۵)

قربانی ایک بہت اچھی سنت ہے اور فرض نہیں ہے اور جس نے اس کو ترک کیا در آنحالیکہ وہ اس سے اعراض اور پہلوتہی نہیں کر رہا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اعراض اور پہلوتہی کرنے والا بہر حال باعثِ ملامت ہے کیونکہ وہ اس سنۃ حسنۃ سے منہ موڑ رہا ہے جس کا اصل ثبوت قرآن کریم سے ہے اور متواتر درجہ کی احادیث اس کی تائید میں ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بھی اس کو ترک نہیں کیا اور امت مسلمہ بھی اس پر تاہنوز کاربند چلی آتی ہے اور منکرین قربانی خیر سے اس کے مبارک وجود ہی کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں اور اس کی سنیت کے منکر ہیں جیسا کہ پہلے طلوع اسلام کے حوالہ سے گذر چکا ہے اور اس کو ایک رائیگاں

امر خیال کئے ہوئے ہیں اور ادب و قلم کے زور سے عام مسلمانوں کو اس سے متنفر کرنے میں شب و روز کوشاں ہیں لیکن کرتے رہیں ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

باب دوم

عید الضحیٰ کے بعد قربانی کرنا کتنے دن تک درست ہے؟

آج ہی میرے ایک مخلص دوست نے اخبار "الاعتصام" لاہور مجریہ ۳ ستمبر ۱۹۵۴ء بمطابق ۴ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ مجھے لاکر دیا جس کے صفحہ ۹ میں فقہ حدیث کے عنوان سے محترم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا ایک مفصل مضمون درج ہے۔ جس میں انہوں نے مسئلہ قربانی کے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے، کہ عید کے بعد کتنے دن تک قربانی کرنا صحیح ہے؟ انہوں نے جو ان کی جماعت کے نزدیک محقق اور معمول بہ مسلک تھا۔ وہ بیان کیا ہے۔ اور ان کو اپنا نظریہ بیان کرنے کا ہر حالت میں اور ہر اعتبار سے پورا پورا حق حاصل ہے۔ اور ان کا یہ حق خود اختیاری کون سلب کر سکتا ہے؟ لیکن مولانا نے فریق ثانی کے حق میں جو جو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہ خود غمازی کر رہے ہیں۔ کہ مولانا باوجود سنجیدہ اور متین ہونے کے انتہائی تعصب کا شکار ہیں، اور جس جماعت کے وسیع المشرب اور سیاسی راہنما کا یہ حال ہو۔ وہاں دوسرے اصحاب کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے ؎

جس کی بہار یہ ہو سو اس کی خزاں نہ پوچھ

ہم پہلے مولانا کی بعض عبارات نقل کرتے ہیں۔ پھر مسئلہ کے ضروری اجزاء پر بحث ہوگی (انشاء اللہ العزیز)

مولانا لکھتے ہیں کہ حضرت جبیرؓ بن مطعم کی حدیث مختلف طرق سے مقطوع مرفوع ثقات ضعاف سب سے مروی ہے۔ تمام طرق میں کچھ نہ کچھ نقص ہے۔ مگر اس کے باوجود مجموع طرق

سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حدیث کی کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔ اس لیے ائمہ حدیثؒ کا رجحان اسی طرف ہے۔ کیونکہ باقی مسلک یا تو بالکل بے دلیل ہیں یا ان کی بنیاد محض آثار صحابہؓ پر ہے۔ چنانچہ احناف کے مسلک کا بھی یہی حال ہے۔ اور پھر ان آثار میں غرابت بھی ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعیؒ نصب الرایہ میں حضرت عمرؓ، علیؓ، اور ابن عباسؓ کے آثار کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قلت غریب جداً کہ ان میں بہت غرابت ہے (جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)

ظاہر ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جمہور کا مسلک ہونے کے علاوہ دلیل کے لحاظ سے بھی نسبتاً مضبوط ہے۔ اس لیے اس مسلک پر عمل درست ہے اور انکار جہالت (بلفظہ)

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ حافظ دار قطنیؒ نے حدیث جبیرؓ بن مطعم کو مرفوع ذکر فرمایا ہے۔ اور صاحب تعلیق المغنی نے نصب الرایہ کا اقتباس نقل فرمایا ہے جس سے حدیث جبیر بن مطعم کا مقام ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ احناف کے مسلک اور ان کے دلائل کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ دیانت دار آدمی کے لیے دونوں مسلکوں میں ترجیح کے وجوہ آشکارا ہو جاتے ہیں۔ معاملہ کی تہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں۔ مگر تنگ دل اور متعصب کے لیے نصوص بھی کفایت نہیں کر سکتے (بلفظہ)

پھر آگے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

بعض کم فہم اور متعصب حضرات سارا زور جبیر بن مطعم کی حدیث اور اس پر جرح میں صرف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ جبیر بن مطعم کی حدیث استدلال کی بنیاد نہیں، بلکہ مؤید ہے، اصل بنیاد دونوں مسلکوں میں مشابہت ہے جہاں دونوں کا ذکر ہے۔ وہاں تیسرے سے روکنے کا کوئی قرینہ نہیں۔ اور ایام منیٰ میں تشابہ اور مضاہات ظاہر ہے" بلفظہ"

پھر علامہ ترکمانیؒ پر برستے ہوئے رقمطراز ہیں کہ۔

"ابن علامہ ترکمانی کی روش عجیب ہے۔ وہ اپنے مخالف کو کبھی نہیں بخشتے۔ اور نہ ہی ان کو جائز رعایت دینے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے مسلک کی تمام کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش فرماتے ہیں (بلفظہ)

ان اقتباسات سے قارئین کرام بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ مولانا نے کیا کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ ہم اس کا یوں تجزیہ کر سکتے ہیں۔

(۱) جو لوگ قربانی کے صرف تین ہی دن تسلیم کرتے ہیں، ان کا مسلک بالکل بلا دلیل ہے۔

(۲) اور یا محض آثار صحابہؓ پر اس کی بنیاد ہے۔

(۳) اور ان آثار صحابہؓ میں بھی بہت زیادہ غرابت ہے۔

(۴) جمہور اور ائمہ حدیث مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے مسلک پر عامل تھے۔

(۵) جو لوگ اس مسلک کے خلاف ہیں، وہ تنگدل، متعصب اور کم فہم ہیں۔

(۶) اور وہ پوری دیانت کے ساتھ بھی اپنے عمل کے لیے صحیح راستہ تلاش کرتے وقت اگر دوسرے فریق کے دلائل کا علمی اور تحقیقی رنگ میں صحیح جواب دیتے ہوئے بھی انکار کریں۔ تو پھر بھی ان کا انکار جہالت ہے۔ اور وہ دیانتدار نہیں ہیں۔

(۷) اور علامہ ترکمانیؒ تو اپنے مخالف کو کبھی بخشنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے اور اپنی تمام کمزوریاں کو چھپاتے ہیں۔ اس پوری بحث کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم مسئلہ کی اصل حقیقت اور دلائل کا پس منظر عرض کرتے ہیں۔ اور حضرت مولانا کی بزرگی کا پورا پورا احترام رکھتے ہوئے حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں۔ معہذا اگر کوئی بات خلاف ادب نکل جائے تو حضرت مولانا سے یہ کہتے ہوئے معذرت خواہ ہیں کہ ؎

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

قربانی کے دنوں کی تعیین کے بارے میں آئمہ اسلام کا اختلاف رہا ہے۔ اور خود مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے تقریباً سات قول نقل کئے ہیں۔

(۱) عید کے بعد صرف دو دن، یہ مسلک حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے جملہ پیروکاروں کا، حضرت امام دار ہجرت، امام مالکؒ اور ان کے تمام متبعین کا اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے سارے مقلدین کا ہے (زاد الحافظ ابن القیمؒ)

(۲) عید کے بعد تین دن تک، یہ حضرت امام شافعیؒ اور ان کے سب مقلدین کا، اور حضرت سعیدؓ

حسن بصریؒ، امام اوزاعیؒ اور ابوثورؒ وغیرہ کا مسلک ہے۔ ان میں صرف ابتدائی دور میں کچھ نفوس نے امام اوزاعیؒ اور حسن بصریؒ وغیرہ کی تقلید کی ہے۔ جیسا کہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور ان کے علاوہ باقی امام جن کا ابھی ذکر ہوا اور اس طرح دو کر پانچ مسلک رکھنے والوں کی اکثریت ان حضرات کی ہے جن کی تحقیق صرف اپنی ذات تک محدود رہی ہے۔ اور امت نے نہ تو ان کی تقلید کی، اور نہ ان کی فقہ کو ترقی اور عروج حاصل ہوا۔ لہٰذا ان کا نام پیش کرنا جن کی ذاتی تحقیق کو امت کی اکثریت نے قبول نہیں کیا محض تسکین قلب کا سامان ہے۔ اور ان کی شان میں کوئی نازیبا الفاظ کہنا حتیٰ کہ تنگدل اور متعصب کا لفظ بھی) انتہائی شقاوت قلبی ہے۔ ہاں البتہ امام شافعیؒ کا رتبہ بہت اونچا رہا ہے۔ اور جس طرح باقی آئمہ ثلاثہؒ کی تقلید لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں نے کی ہے۔ انکی تقلید بھی امت محمدیہ کے ایک معتد بہ طائفہ نے کی ہے۔ الغرض تمام فقہاء کرامؒ اس پر متفق ہیں کہ قربانی کے صرف تین دن ہیں۔

چنانچہ علامہ ماردینیؒ لکھتے ہیں کہ تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ تیرھویں تاریخ کو قربانی جائز نہیں ہے مگر ہاں حضرت امام شافعیؒ نے اس کی اجازت دی ہے (الجوھر النقی علی السنن ج۹ ص۲۹۷)

اِس بحث کو پیش نظر رکھتے ہوئے قریباً قریباً یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ گویا ہر زمانہ اور ہر ملک میں کلمہ پڑھنے والوں کی تخمیناً اسّی فیصد یا اس سے بھی زیادہ اکثریت عید کے صرف دو دن بعد تک قربانی کو صحیح سمجھتی رہی ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ امت محمدیہ کی اکثریت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے نزدیک کم فہم، جاہل، متعصب اور تنگدل ہی نہیں بلکہ بلا دلیل بھی ہے اور اگر کوئی دلیل ہے بھی، تو محض آثار صحابہؓ جو بہت زیادہ غرابت پر مشتمل ہیں۔

اور پھر مولانا نے حافظ ابن حجرؒ کی تقلید کرتے ہوئے جمہور کا مسلک اپنا بتلایا ہے لیکن نہ لغوی لحاظ سے جمہور کا یہ مسلک ہو سکتا ہے کیونکہ لغت میں جمہور کا معنیٰ ہے ہمہ مردم صراح ص۱۶۶ سب آدمی) اور نہ تاریخی، تحقیقی اور علمی لحاظ سے۔ مگر وہ جمہور کا لفظ اطلاق کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اور ائمہ حدیث کا جملہ بھی کس بے احتیاطی سے بول رہے ہیں۔ مولانا کیا حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ وغیرہ اور ان کے جملہ

مقلدین، متبعین ائمہ حدیث نہ تھے؟ اور کیا یہ سارے مولانا کے ہمنوا ہیں؟ مولانا نے بھی اپنی جماعت کے بعض حضرات کی طرح کیا ہی تعصب کا مظاہرہ کیا ہے کہ اپنے ہر مسئلے کو جھٹ حدیث کا مسئلہ کہہ دیتے ہیں۔ گو وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اور احناف کے ہر مسئلہ کو اماموں اور فقیہوں کے مسئلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ گو اس میں صحیح حدیث ہی کیوں نہ ہو، مگر بایں ہمہ نہ اُن کی دیانت پر حرف آتا ہے۔ اور نہ تنگ دلی اور تعصب ہی ان کے نزدیک پھٹک سکتا ہے۔ (فوا اسفا)

بقول مولانا علامہ ترکمانی "تو اپنے مخالف کو کبھی نہیں بخشتے۔ مگر خود مولانا اتنی چشم پوشی کے عادی ہیں۔ کہ ان کو جمہور کا استدلال تک نظر نہیں آتا۔ اور نظر مبارک اس سے چوک جاتی ہے۔

(۱) حافظ ابن رُشدؒ قرآن کریم کے جملہ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:-

فقیل یوم النحر ویومان بعدہٗ وھو المشھور (بدایہ ص ۲۲۲ ج ۱)

مشہور قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد عید کا دن اور دو دن بعد کے ہیں۔

(۲) امام ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں۔

(کہ عید کے بعد صرف دو دن ہی قربانی کے دن ہیں)

وھذا قول عمرؓ وعلیؓ وابن عمرؓ وابن عباسؓ وابی ھریرۃؓ وانسؓ قال احمدؒ ایام النحر ثلاثۃ عن غیر واحد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الی ان قال) وھو قول مالکؒ والثوریؒ (الی ان قال) ایام الاضحیٰ التی اجمع علیھا ثلاثۃ ایام (الی ان قال) ولنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ادخار لحوم الاضاحی فوق ثلاث ولا یجوز الذبح فی وقت لا یجوز ادخار الاضحیۃ الیہ

اور یہی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ کا مذہب ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قربانی کے صرف تین دن ہیں، اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار صحابہؓ سے یہی مروی ہے۔ اور یہی حضرت امام مالکؒ اور امام ثوریؒ کا مسلک ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قربانی کے وہ دن جن پر (ایک گو نہ) اجماع واقع ہو چکا ہے صرف تین دن ہیں۔ اور بس امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن

(مغنی ابن قدامہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۱) سے زائد قربانی کا گوشت ذخیرہ رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ کیونکہ جس وقت تک قربانی کا گوشت رکھنا درست نہیں، اس وقت قربانی کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی ستم ظریفی دیکھئے۔ کہ جمہور کے وکیل تو اپنے استدلال کی بنیاد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پر رکھتے ہیں، مگر مولانا فرماتے ہیں۔ کہ یہ لوگ بالکل بے دلیل ہیں یا محض صحابہؓ کے لیے آثار پر ان کی دلیل مبنی ہے۔ جو غرابت کا شکار ہیں، تعصب کا خدا بُرا کرے۔ کہ وہ انسان کو صحیح بات کے سمجھنے سے دور رکھتا ہے۔

امام ابن قدامہؒ نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔
(۱) حضرت علیؓ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳۵) (۲) حضرت ابن عمرؓ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳۵) ۳ حضرت عائشہؓ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳۵) ۴ حضرت عبداللہ بن واقدؓ (مسلم ۲ صفحہ ۱۵۸) ۵ حضرت جابرؓ مسلم ۲ صفحہ ۱۵۸) ۶ حضرت ابو سفیان الخدریؓ (مسلم ۲ صفحہ ۱۵۸)، ۷ حضرت بریدہؓ (مسلم ۲ صفحہ ۱۵۸)
۸۔ اور حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے۔ ان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثالثۃ وبقی فی بیتہ منہ شیی (بخاری ۲ صفحہ ۱۳۵) (مسلم ۲ صفحہ ۱۵۸)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص تم میں قربانی کرنا چاہے۔ تو تیسری رات کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہونی چاہیئے۔

آپ نے ایک خاص ضرورت کے پیش نظر اس سال قربانی کا گوشت تین دن کے بعد رکھنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ اور پھر دوسرے سال فرمایا کہ ہاں تم تین دن کے بعد بھی قربانی کا گوشت اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ (کما ھو مصرح فی ھذا الحدیث وغیرہ)

امام ابن قدامہؒ کا یہ استدلال مبنی بر انصاف ہے۔ اگر قربانی کے چار دن ہوتے جیسا کہ مولانا کا خیال ہے۔ تو حدیث میں یوں ذکر آتا۔ کہ قربانی کا گوشت چار دن کے بعد رکھنا جائز نہیں ہے۔

لیکن اس حدیث (بلکہ کسی بھی صحیح حدیث) میں چار دن کا ذکر تک نہیں۔ صرف ثلاثۃ ایام یعنی تین دن کا ذکر آیا ہے۔ اگر واقعی چوتھے دن قربانی جائز ہوتی تو یقیناً جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ نہ فرماتے کہ چوتھے دن کی صبح تمہارے گھر میں قربانی کے گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وہاں تو سیر داں بلکہ منوں کے لحاظ سے گوشت ہوگا۔ ہاں اگر کسی صحیح حدیث سے چار دن کی صراحت اس کے بعد ثابت ہوجائے یا مولانا یہ ثابت کر دیں۔ کہ ممانعت صرف ایک بوٹی (رشیئی) کی ہے۔ زیادہ کی نہیں۔ یا چوتھے دن قربانی تو جائز ہے۔ لیکن قربانی کا گوشت استعمال کرنے کی بلکہ گھر میں رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ یا چوتھے دن کی قربانی کا گوشت بھاپ بن کر اڑ جایا کرتا ہے۔ تو شاید مولانا کی بات قابل توجہ ہو سکے مگر یقین کیجئے۔ کہ ان تمام امور کا جواب صرف نفی میں ہوگا۔

جمہور کا یہ استدلال نہایت صحیح اور غیر مشتبہ ہے۔ اگر اس پر کسی قسم کا اور قدرے معقول سا اعتراض واقع ہوسکتا ہے۔ تو وہ وہ ہے جو حافظ ابن القیم نے (زاد المعاد ص۲۴۶ میں) وارد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ قربانی کرنے والے کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنا درست نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قربانی کے دن ہی تین ہیں۔ کیونکہ اگر کسی شخص نے اپنی قربانی کو تیسرے دن تک مؤخر کیا۔ اور تیسرے دن تک گوشت رکھنا جائز ہوگا۔ لہذا یہ دن قربانی کے کیسے ہو سکتے ہیں؟

لیکن حافظ ابن القیم کا یہ اعتراض صرف تاویل بعید یا محض مغالطہ ہے۔

اوّلاً اس لیے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن یہ خطبہ اور تقریر ارشاد فرمائی تھی کیونکہ سنن البیہقی (جلد ۹ صفحہ ۲۹۱) میں یوم الضحی کے الفاظ موجود ہیں۔ اور بخاری و مسلم وغیرہ میں تصریح ہے کہ عام قربانی کے متعلق آپ نے عید کے دن خطاب فرمایا تھا۔ اس لیے تین دنوں کی ابتداء جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ والے دن سے شروع ہوگی۔ نہ کہ تیسرے دن سے۔ (دیکھئے مولانا یہ صریح نص تسلیم کرتے ہیں یا حافظ ابن القیم کا قیاس؟ شاید مولانا کو اپنے یہ الفاظ بھی یاد ہوں گے کہ۔ مگر تنگدل اور متعصب کے لیے نصوص

بھی کفایت نہیں کر سکتے (بلفظہٖ)

ثانیاً جو عبادت مخصوص ایام کے ساتھ متعلق ہو۔ اس میں تحدید شرعی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ اس میں تحدید حقیقی ہو نہ کہ اضافی۔ جیسا کہ حافظ ابن القیمؒ کو دھوکہ ہوا ہے۔ لہٰذا تین دن عید کے دن سے شروع ہوں گے۔ نہ کہ تیسرے دن سے۔

ثالثاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس قافلہ کی رعایت کے لیے تین دن سے زائد قربانی کا گوشت رکھنا ممنوع ٹھہرایا تھا۔ یہ رعایت تحدید حقیقی کے زیادہ مناسب ہے نہ کہ تحدید اضافی کے۔ کیونکہ اگر قربانی کے چار دن ہوتے، اور قربانی کے آخری دن کے بعد تین دن تک گوشت رکھنا درست ہوتا۔ تو اس لحاظ سے مجموعی طور پر سات دن تک قربانی کا گوشت رکھنا ثابت ہوا۔ اور جس غرض کے لیے آپؐ نے پابندی عائد کی تھی۔ وہ حاصل نہ ہوتی۔ کیونکہ اس کے بعد صرف معمولی مقدار میں گوشت بچ سکتا ہے۔

رابعاً ائمہ ثلاثہؒ اور اکثر امت جب تین دن سے دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخیں ہی سمجھی ہیں۔ تو ان کے مقابلہ میں حافظ ابن القیمؒ کا قیاس اور تاویل کون سنتا ہے؟ جب ان تین دنوں پر امت کی اکثریت کا ایک گونہ اجماع ہو چکا ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اور ائمہ ثلاثہؒ، اور اکثر امت قرنا بعد قرن ایسی کھلی غلطی کے مرتکب رہے ہوں؟

الغرض جمہور کا استدلال بالکل بے غبار ہے۔

رہا مولانا کا یہ نقل کرنا کہ علامہ ترکمانیؒ کہتے ہیں، کہ اس باب میں کوئی مرفوع روایت نہیں ہے، تو یہ باطل ہے۔

اولاً جن الفاظ سے علامہؒ نے نفی کی ہے۔ ان کی نفی سے مطلقاً نفی کیسے لازم آئی؟

وثانیاً اگر ان کو مرفوع روایت معلوم نہیں، تو اس سے علم بالعدم کیسے لازم آیا؟ نواب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ

" وعدم علم او علم بعدم نیست " (بدور الاہلہ ص۳۴۹)

وثالثاً امام ابن قدامہؒ کے حوالہ سے صحیح اور مرفوع حدیث پہلے عرض کی جا چکی ہے۔

مولانا مبارکپوریؒ صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

فقول ھؤلاء العارفین مقدم علی من لم یعرف (ابکار المنن ص۱۲۸)	ان جاننے والوں کی بات نہ جاننے والوں پر مقدم ہے۔

اب آپ صحابہ کرامؓ کے بعض آثار بھی سن لیجئے۔

اثر حضرت عبداللہ بن عمرؓ

حضرت امام مالکؒ نافعؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ

الاضحیٰ یومان بعد یوم الاضحیٰ (موطا امام مالک ص۱۸۸)	کہ قربانی عید کے دن کے بعد صرف دو دن تک ہو سکتی ہے۔

یہ روایت مؤطا امام مالک کی ہے۔ جو کتب حدیث کے طبقۂ اولیٰ کی مرکزی کتاب ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔

اثر حضرت انس بن مالکؓ

ابن ابی شیبہؒ وکیعؒ سے روایت کرتے ہیں وہ شعبہؒ سے اور وہ قتادہؒ سے اور وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ :۔

الاضحیٰ یوم النحر ویومان بعدہٗ (محلی ابن حزم جلد ۷ ص۳۷۷ وصححہ)	کہ قربانی کے دن عید کے بعد صرف دو دن ہیں۔ علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے

اثر حضرت عبداللہ بن عباسؓ

وہ فرماتے ہیں

الاضحیٰ یومان بعد یوم النحر (الجوھر النقی جلد ۷ ص۲۹۶)	کہ عید کے بعد قربانی کے صرف دو دن ہیں

علامہ ماردینیؒ لکھتے ہیں بسند جید کہ اس کی سند جید اور عمدہ ہے

اور علامہ عینیؒ لکھتے ہیں :

سندہٗ جید کہ اس کی سند جید اور عمدہ ہے (عمدۃ القاری جلد ۱۰ ص۱۴۵)

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ علامہ طحاویؒ کا ارشاد کہ ابن عباسؓ کے قول کی سند جید ہے۔ یہ بھی محض تسکین قلب کا سامان ہے (بلفظہٖ) تو یہ خالص سینہ زوری پر محمول ہے۔ اور بلاوجہ اور بلا سبب محض تعصب کی بنا پر انہوں نے اس پر کلام اور جرح کرکے اپنے اور اپنی جماعت کے حضرات کے لیے عارضی تسکین کا سامان مہیا کیا ہے ورنہ اس کی سند بالکل جید ہے۔

مولانا! سند پر بلا کسی حجت کے کلام اور جرح کون سنتا ہے؟

امام طحاویؒ، علامہ ماردینیؒ اور امام بدرالدین عینیؒ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ مولانا! کیا آپ نے اُن کو تشش دیا ہے؟ شاید مولانا کی روش عجیب نہ ہو۔ باقی حضرت ابن عباسؓ سے متعدد طرق اور مختلف اسانید سے یہ اثر مروی ہے۔ ان میں بہت سے ضعیف بھی ہیں۔ لیکن ان کے ضعف سے اس جید سند والے اثر کا ضعف لازم نہیں آتا۔

اگر علامہ ابن حزمؒ وغیرہ نے ان کے کسی اثر پر کلام کیا ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آیا۔ کہ ان کی صحیح سند بھی ضعیف ہو جائے ؎

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اثر حضرت ابوھریرۃؓ

ابن ابی شیبہؒ کہتے ہیں کہ ہم سے زید بن حبابؒ نے بیان کیا۔ وہ معاویہ بن صالحؒ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ مجھ سے ابومریمؒ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت ابوہریرۃؓ سے سنا۔ انہوں نے فرمایا۔

الاضحیٰ ثلاثۃ ایّام (محلّی ابن حزم جلد ۷ ص۳۷۷) کہ قربانی کے صرف تین دن ہیں۔

علامہ ابن حزمؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ معاویہ بن صالح قوی نہیں اور ابومریم مجہول ہے۔ لیکن ان کا یہ اعتراض مردود ہے۔ اس لیے کہ معاویہ بن صالح ثقہ ہیں۔

(بغدادی جلد ۱۱ صـ ۴۲۸)

علامہ ذہبیؒ ان کو الامام اور الفقیہ لکھتے ہیں (تذکرہ ۱ صـ ۱۹۶)

امام احمد ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن عدی ان کو علم کا ظرف اور ھن من الصدق (سچائی کی کان) کہتے ہیں (ایضاً)

ابوزرعہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب صـ ۲۰۹)

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ ان کی سند کی ایک موقع پر صحیح سے تصحیح کرتے ہیں۔ (مستدرک ۳ صـ ۸۱)

اور علامہ ذہبیؒ ایک موقعہ پر ان کی سند کو اسنادہ حسن (تذکرہ جلد ۱ صـ ۳۵۳) اور دوسرے موقع پر صالح الاسناد کہتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ صـ ۳۵۳)

امام جلال الدین سیوطیؒ، زید بن الحباب حدثنا معاویہ بن صالح حدثنا ابو مریم الانصاری عن ابی ھریرۃؓ کی ایک پوری سند کو اسنادہ صحیح سے تعبیر کرتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء صـ ۱)

اور ابو مریم بھی مجہول نہیں ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ معروف عندنا ہمارے نزدیک وہ معروف اور مشہور ہیں۔ اور نیز فرماتے ہیں کہ اہل حمص ان کی تعریف کرتے تھے، اور امام عجلیؒ کہتے ہیں کہ ابو مریم۔ مولی ابی ہریرۃ ثقۃ۔ ابو مریمؒ، ابوہریرہؓ کے خادم تھے۔ اور ثقہ ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صـ ۲۲۲) لہٰذا ان کی جہالت کا دعوےٰ بھی باطل ہے۔ اس کے علاوہ متعدد صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ سے اسی مضمون کی روایتیں ہیں جو ان کی تائید میں شاہد اور اعتبار کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں۔

رہا مولانا کا یہ نقل کرنا کہ علامہ زیلعیؒ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے آثار کو غریب جداً کہتے ہیں۔ تو یہ اپنے مقام پر بالکل صحیح ہے، کیونکہ صاحب ہدایہ نے ان کے آثار ان الفاظ سے نقل کئے ہیں۔

ایام النحر ثلاثة افضلها اولها۔ تو بلاشک یہ الفاظ غریب جداً کا مصداق ہیں۔ اور جو الفاظ ان سے ہم نے نقل کئے ہیں وہ باسانید صحیحہ مروی ہیں۔ جیسا کہ ہم نقل کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے آثار کے غریب جداً ہونے سے یہ کیسے لازم آیا۔ کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ کے آثار بھی غریب ہوں۔

الحاصل محترم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا یہ فرمانا۔ کہ جمہور کے نزدیک قربانی چار دن تک صحیح ہے۔ آئمہ حدیث کا یہ مسلک ہے۔ اور فریق ثانی بے دلیل ہیں۔ ان کے مسلک کی بنیاد آثار صحابہؓ پر ہے۔ اور ان میں بھی غرابت ہے۔ اور اکثر امت کو جاہل، کم علم، متعصب اور بد دیانت اور تنگدل وغیرہ کہنا۔ اور بلا کسی صحیح دلیل کے اپنے مسلک کو راجح ٹھہرانا ظلمات بعضها فوق بعض کا خارجی اور اصلی مصداق ہے۔ رہا مولانا صاحب کا استدلال تو وہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ حضرت جبیرؓ بن مطعم کی حدیث کے جملہ طرق میں کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے۔

- حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ منقطع ہے فيه انقطاع (زاد المعاد جلد ۱ صـ۲۴۶)

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اپنے صحیح میں اس کو موصول روایت کیا ہے۔ (نیل الاوطار جلد ۵ صـ۱۲۳) لیکن یہ قاضی صاحبؒ کا وہم ہے کیونکہ علامہ زیلعیؒ نے یہ روایت بحوالہ صحیح ابن حبان نوع ۴۳ دو جگہ ذکر کی ہے۔ (نصب الرایہ جلد ۳ صـ۶۱ و جلد ۴ صـ۲۱۲ اور دونوں جگہوں میں سندیوں ہے عبد الرحمٰن بن ابی حسین عن جبیرؓ بن مطعم۔ اور دونوں جگہ تصریح کی ہے کہ ابن ابی حسین کی ملاقات جبیر بن مطعم سے ثابت نہیں ہے اور مولانا شمس الحق صاحب تعلیق المغنی جلد ۲ صـ۵۴۴ میں بحوالہ زیلعیؒ ابن حبانؒ سے یہی مذکور سند نقل کی ہے، لہذا روایت بہر حال منقطع ہے اور ابن حبان بڑے متساہل ہیں اس لیے کسی حدیث کا ان کے صحیح میں ہونا صحت کی دلیل نہیں ہے، امام دارقطنیؒ (جلد ۲ صـ۵۴۴) اور امام بیہقیؒ نے (سنن الکبریٰ جلد ۹ صـ۲۹۶ میں) نافع

نافع بن جبیر عن جبیرؓ بن مطعم الخ اور عمرو بن دینار عن جبیرؓ بن مطعمؓ الخ

سے اسے موصول قرار دینے کی سعی کی ہے لیکن پہلی سند میں سوید بن عبد العزیز اور سلیمان بن

بن موسیٰ دونوں ہیں اور دوسری میں عمرو بن ابی سلمہ اور سلیمان بن موسیٰ ہیں، امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ محلہ الصدق مگر ان کی حدیث میں بعض اضطراب ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ عندہ مناکیر اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ لیس بالقوی فی الحدیث اور امام ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ وہ ایسی روایات میں متفرد ہیں جن پر ان کا اور کوئی ساتھی متابع نہیں ہے (محصلہ تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۲۷) الغرض حافظ ابن القیمؒ کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔ اور مولانا کا استدلال بھی اس حدیث پر نہیں ہے، بلکہ حدیث تو صرف مؤید ہے۔ اس لیے ہمیں اس حدیث پر کلام اور جرح کرنے پر زور صرف کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ البتہ مولانا نے فتح الباری کے حوالہ سے جو یہ نقل کیا ہے۔ کہ دارقطنیؒ ص ۴۴۹ نے اس حدیث کو موصول بیان کیا ہے، ورواتہ ثقات۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دارقطنی کی پہلی سند میں سوید بن عبدالعزیز واقع ہے۔ امام احمدؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں۔

امام ابن معینؒ اس کو لیس بشیء کہتے ہیں۔

امام ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ اس نے منکر روایتیں بیان کی ہیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ

اس کی احادیث میں منکر روایتیں موجود ہیں۔ اور نیز فرمایا کہ فیہ نظر لا یحتمل اس میں کلام ہے۔ اور یہ اس قابل نہیں کہ اس سے روایت لی جا سکے۔

امام نسائیؒ اس کو لیس بثقہ۔ اور یعقوبؒ بن سفیانؒ اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔

ابوحاتمؒ اس کو لین الحدیث کہتے ہیں۔ اسی طرح محدث دحیمؒ، امام ترمذیؒ، ابو احمد الحاکمؒ، خلالؒ، ابوبکر البزارؒ، اور ابن حبانؒ وغیرہ تمام اس کی تضعیف کرتے ہیں (دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۷۶)

اور دارقطنیؒ کی دوسری سند میں عمرو بن ابی سلمہ واقع ہے۔

امام ابن معینؒ کہتے ہیں۔ کہ وہ ضعیف ہے۔

ابوحاتمؒ کہتے ہیں۔ کہ ان کی حدیثیں لکھی تو جا سکتی ہیں۔ لیکن ان سے استدلال و احتجاج صحیح نہیں ہے۔

محدث عقیلیؒ کہتے ہیں۔ کہ ان کی حدیث میں وہم ہوتا ہے۔

امام ساجیؒ کہتے ہیں۔ کہ وہ ضعیف ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس نے زہری سے باطل روایتیں نقل کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۲۳۳۔۲۳۲)

شاید یہی وجہ ہے کہ مولانا باوجود اس کے کہ حافظ ابن حجرؒ رواۃ ثقات لکھتے ہیں مطمئن نہیں ہیں۔ اور اپنے استدلال میں اس کو پیش کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

مولانا نے حافظ ابن القیمؒ کے حوالہ سے اسامہ بن زید عن عطاء عن جابرؓ الخ کی حدیث کا تذکرہ بھی فرمایا ہے اور پھر یہ بھی نقل کیا ہے۔ کہ امام یعقوب بن سفیانؒ کا بیان ہے کہ اسامہ اہل مدینہ کے نزدیک ثقہ اور مامون تھے۔

لیکن یہ بھی مولانا کا (اور حافظ ابن القیمؒ کا) وہم ہے۔ کیونکہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ۔

امام یحییٰ بن سعید القطان امام الجرح والتعدیل نے بالآخر ان کی روایتوں کو ترک کر دیا تھا۔

امام اثرمؒ کا بیان ہے۔ کہ امام احمدؒ نے ان کو لیس بشیئ کہا ہے۔

اور امام ابوحاتمؒ کہتے ہیں۔ کہ ان کی حدیث لکھی تو جا سکتی ہے لیکن احتجاج اور استدلال میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

امام نسائیؒ ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں۔

امام ابن معینؒ کا بیان ہے۔ کہ اس سے منکر روایتیں مروی ہیں۔

امام دارقطنیؒ کہتے ہیں۔ کہ امام یحییٰ بن سعیدؒ نے جب اس سے عن عطاء عن جابرؓ کی یہ مرفوع روایت سنی، کہ ایام منیٰ کلہا منحر (تمام ایام منیٰ میں قربانی ہو سکتی ہے) تو فرمایا۔ تم گواہ رہو۔ کہ میں نے اسامہ بن زید کی حدیث کو بالکل ترک کر دیا ہے۔

امام دارقطنیؒ کہتے ہیں۔ کہ یہی وجہ ہے۔ کہ امام بخاریؒ نے اس کی حدیث ترک کر دی ہے (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۰۶)

تعجب ہے کہ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ اور امام بخاریؒ جیسے امام اس کو اس حدیث کی وجہ سے مطلقاً قابلِ ترک سمجھتے ہیں۔ اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب حافظ ابن القیمؒ کی تقلید کرتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں (فوا اسفا)

باقی مولانا نے حضرت امام شافعیؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی عبارتوں سے جو قدر مشترک قیاس کیا ہے۔ کہ ایام منیٰ میں تشابہ ہے۔ یہ بھی ان کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور صحابہ کرامؓ کی اکثریت نے، اور جمہور اہل اسلام نے تیسرے دن کو دو دنوں سے الگ کر دیا ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا قرینہ ہے۔

نیز احناف کا یہ مسلک ہے۔ کہ اگر کسی وجہ سے عید کے دن نماز نہ ادا کی جاسکے۔ تو دوسرے اور تیسرے دن ادا ہو سکتی ہے مگر چوتھے دن صحیح نہیں ہے۔ (ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ وخانیہ جلد ۱ صفحہ ۸۵)

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا یہ مسلک ہے۔ کہ چوتھے دن جمرات کی رمی سوار ہو کر کی جائے۔ یا بالکل ترک کر دی جائے۔ تو بھی صحیح ہے۔ مگر پہلے دو دنوں میں سوار ہو کر رمی کرنا خلاف سنت ہے۔ اور ترک کرنا بھی درست نہیں ہے۔ (نووی شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۱۹) اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ عید کے بعد تیسرے دن کا تشابہ عید کے بعد دو دنوں سے ہر ہر حکم میں ثابت نہیں ہے۔ بلکہ قرآن کریم میں فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ کا ارشاد موجود ہے۔ اور حدیث صحیح (دیکھئے نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۸ وغیرہ) میں بھی یہ مضمون مروی ہے۔ جس سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ چوتھا دن ایام منیٰ کے پہلے دو دنوں سے آئمہ اسلام کے نزدیک بعض احکام میں مشابہ نہیں ہے اور قربانی کے مسئلہ میں تو کسی طرح بھی مشابہ نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث نے تیسرے دن کو پہلے دو دنوں سے الگ کر دیا ہے۔

اسی طرح بعض آئمہؒ کے نزدیک ایام تشریق کی تکبیرات میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ اور مولانا صاحب سے یہ مسئلہ بھی مخفی نہ ہوگا۔ اندریں حالات ایام منیٰ کی آپس میں کلی مشابہت اور مناسبت تو یقیناً مفقود ہے اور بعض احکام میں مشابہت ان کو چنداں مفید نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے اس لیے ایام منیٰ میں مکمل مشابہت کا دعوےٰ کرنا، پھر اس پر قربانی کا مسئلہ قیاس کرنا۔ بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف مولانا حضرت جبیرؓ بن مطعم کی روایت کو اپنے استدلال کی بنیاد قرار نہیں دیتے اور دوسری طرف ایام منیٰ میں مشابہت پیدا کر رہے ہیں حالانکہ خود ان کے اقرار سے ایام منیٰ کی روایت کمزور ہے۔ لہٰذا ایام منیٰ کا جھگڑا ہی خارج از بحث ہے۔ اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو باب تغلیب مسدود نہیں ہے بایں طور کہ عید کے بعد دو دنوں کو ایام سے تعبیر کیا گیا۔

باوجودیکہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک صحیح حدیث پر مبنی ہے اور اکثر امت کا اسی پر عمل رہا ہے۔ اور اب بھی ہے۔ مگر بایں ہمہ ہم فریق ثانی کے حق میں کم فہم متعصب تنگ دل اور بد دیانت وغیرہ کے الفاظ کی نسبت کرنا انتہائی گستاخی اور بے ادبی سمجھتے ہیں۔ کس منہ سے ہم حضرت امام شافعیؒ کو اور ان کے مقلدین کو یہ لفظ کہہ سکتے ہیں، یہ حوصلہ تو غیر مقلدین حضرات کو حاصل ہے کہ اپنے مخالف کو سب کچھ کہہ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں محدثین کرامؒ اور فقہائے عظامؒ کی صحیح محبت عطا فرمائے۔ اور ان کے حق میں بے ادبی اور گستاخی سے محفوظ رکھے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الآیة)

اگر مولانا موصوف فریق ثانی کے حق میں ایسے سنگین الفاظ استعمال نہ کرتے تو شاید یہ مضمون لکھنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

جمہور کا مسلک بالکل بے غبار ہے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ معہذا اگر طرز استدلال میں کوئی خامی نظر آئے۔ تو وہ اس حقیر کی ہوگی۔ نہ کہ جمہور کی۔ کیونکہ

میرے ساقی نے عطا کی ہے نئے بے دردِ دماں
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے کا ہے

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد
وعلی اٰلہ واصحابہ ومتبعیہ اجمعین

ابوالزاھد **محمد سرفراز خان** صفدر
خطیب جامع گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ
۹ نومبر ۱۹۵۴ء

تقریظ متعلقہ کتاب ہذا

از

حضرت مولانا احمد علی صاحب (شیرانوالہ گیٹ لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب کا رسالہ "مسئلہ قربانی" میں نے متعدد مقامات سے بغور دیکھا ہے۔ الحمد للہ مولانا نے منکرین حدیث کو جو ہر جگہ قربانی کرنے کے مخالف ہیں۔ محققانہ اور منصفانہ ایسے مسکت اور دندان شکن جوابات دیئے ہیں۔ اگر مسخ نہیں ہو گئے، اور ذرہ بھر بھی ان میں نورِ فطرت باقی ہے۔ تو انہیں اپنا فیصلہ واپس لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو تا دیر سلامت رکھے اور دشمنانِ اسلام جو اسلام پر حملے کر رہے ہیں، ان کی مدافعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

(۲ جمادی الاوّل ۷۴ ۱۳ھ)

العارض

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

ضمیمہ

جمہور اہل اسلام کا یہ اتفاقی عقیدہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس فرزند اور لخت جگر کی بحکم پروردگار قربانی کی تھی وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے اور یہ بھی تاریخی طور پر ایک بین حقیقت ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں جس بزرگ ہستی کو نبوت و رسالت مرحمت ہوئی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں لیکن سوء اتفاق سے بعض غیر محقق علماء نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ قربانی بجائے حضرت اسمعیل علیہ السلام کے حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی تھی اور عیسائیوں نے اس نظریہ کو اور اپنی من مانی تحقیق کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ دعوے کیا کہ قربانی سچ مچ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی تھی اور اس طریقہ سے وہ بنی اسرائیل کے لیے یہ فخر و مباہات بھی ثابت کرنے کے درپے ہوگئے کہ یہ شرف بھی بنی اسرائیل کو حاصل ہے کہ قربانی ان کے جدامجد حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی حضرت اسحاق علیہ السلام کا ادب و تعظیم دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح تمام مسلمانوں پر از روئے شرع لازم اور ضروری ہے۔ یہ بات محل نزاع سے خارج ہے لیکن دلائل کے رو سے قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہوئی ہے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اس سلسلہ میں متعدد علماء حق نے دلائل و براہین کے ساتھ یہ بات واضح کی ہے ہم اس مقام پر صرف دو اقتباس عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سابق شیخ الاسلام پاکستان (المتوفی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء)

قرآن کریم (سورۃ والصّٰفّٰت پ ۲۳ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کی دعا مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی کے لیے پیش کیا گیا۔ موجودہ تورات سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پیدا ہوا وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں، اور اسی لیے ان کا نام اسمٰعیل رکھا گیا کیونکہ اسمٰعیل دو لفظوں سے مرکب ہے سمع اور ایل سمع کے معنی سننے اور ایل کے معنی خدا کے ہیں یعنی خدا نے حضرت ابراہیم کی دعا سن لی۔ تورات میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ اسمٰعیلؑ کے بارے میں میں نے تیری سُن

لی اس بنا پر آیت حاضرہ میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں حضرت اسحاق نہیں اور ویسے بھی ذبح وغیرہ کا قصہ ختم کرنے کے بعد حضرت اسحاقؑ کی بشارت کا جداگانہ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا الخ معلوم ہوا کہ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ میں ان کے علاوہ کسی دوسرے لڑکے کی بشارت مذکور ہے نیز (حضرت) اسحاقؑ کی بشارت دیتے ہوئے ان کے نبی بنائے جانے کی بھی خوشخبری دی گئی اور سورہ ہود میں ان کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوبؑ کا مژدہ بھی سنایا گیا جو حضرت اسحاقؑ کے بیٹے ہوں گے وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ (ہود رکوع ۷) پھر کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسحاق ذبیح ہوں گے یا نبی بنائے جانے اور اولاد عطا کیے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں جن کے متعلق بشارت ولادت کے وقت نہ نبوت عطا فرمانے کا وعدہ ہوا نہ اولاد دیئے جانے کا یہی وجہ ہے کہ قربانی کی یادگار اور اس کی متعلقہ رسوم بنی اسمٰعیل میں برابر بطور وراثت منتقل ہوتی چلی آئیں اور آج بھی حضرت اسمٰعیلؑ کی روحانی اولاد ہی (جنہیں مسلمان کہتے ہیں) ان مقدس یادگاروں کی حامل ہے موجودہ توراۃ میں تصریح ہے کہ قربانی کا مقام مورہ یا مریا تھا، یہود و نصاریٰ نے اس مقام کا پتہ بتلانے میں بہت ہی دور دراز کار احتمالات سے کام لیا ہے حالانکہ نہایت ہی اقرب اور بے تکلف بات یہ ہے کہ یہ مقام مروہ ہو جو کعبہ کے سامنے بالکل نزدیک واقع ہے اور جہاں سعی بین الصفا والمروہ ختم کر کے معتمرین حلال ہوتے ہیں اور ممکن ہے ھٰكَذَا النَّحْرُ میں اسی کی طرف ایماء ہو موطا امام مالک کی ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ قربانگاہ یہی ہے غالباً وہ اسی ابراہیم و اسمٰعیل کی قربان گاہ کی طرف اشارہ ہو گا۔ ورنہ آپ کے زمانہ میں لوگ عموماً مکہ سے تین میل منیٰ میں قربانی کرتے تھے۔ جیسے آج تک کی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کا اصل قربان گاہ مروہ تھا اور حجاج اور ذبائح کی کثرت دیکھ کر منیٰ تک وسعت دے دی گئی قرآن کریم میں بھی هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ اور ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ فرمایا ہے جس سے کعبہ کا قرب ظاہر ہوتا ہے واللہ اعلم بہرحال قرائن و آثار یہی بتلاتے ہیں کہ ذبیح اللہ وہ ہی اسمٰعیل تھے جو کہ بہیں آ کر بسے اور رہیں

اس کی نسل پچھلی توراۃ میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم کو اکلوتے اور محبوب بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اور یہ مسلّم ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحاقؑ سے عمر میں بڑے ہیں پھر حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی موجودگی میں اکلوتے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اھ (تفسیر قرآن ص۵۸۳ و ص۵۸۴)

(۲) شمس العلماء حضرت مولانا شبلی نعمانیؒ (المتوفی ۱۳۳۲ھ) نے ذبیح کے بارے میں خاص بحث کی ہے اور متعدد قرائن اور شواہد اس امر پر پیش کیے ہیں کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ ان میں ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ:

جو اولاد خدا کو نذر کر دی جاتی تھی اُس کو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا، توراۃ میں ہے تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لیے مخصوص کر لیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اٹھائے اور تاکہ خدا کے آگے کھڑا ہو تاکہ وہ خدا کی خدمت کریں اور اس کے نام سے آج تک برکت لیں۔ یہی وجہ ہے کہ لاویوں کو اپنے بھائیوں کے ساتھ کوئی حصہ اور ترکہ نہیں ملا کیوں کہ ان کا حصہ خدا ہے (توراۃ اصحاح ۱۰ آیت ۸، ۹) (سیرت النبی جلد ا ص۱۲) حضرت اسحاقؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنا تمام ترکہ دیا بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دے کر رخصت کیا یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی یعنی معبد پر نظر نہیں چڑھایا تھا (جلد ا ص۱۳۰) غرضیکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اور یہی جمہور اہل اسلام کا محقق نظریہ ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قائم و دائم رکھے آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

سیفِ یزدانی

بجواب

ایامِ قربانی

باجازت حضرت مولانا

محمد عبد القیوم صاحب مدرّس مدرسہ نصرۃ العُلوم متصل گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ناشر

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

عرضِ حال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد

غالباً ۴ محرم ۱۳۷۴ھ کو اخبار "الاعتصام" صفحہ ۹ میں حضرت مولانا محمد اسمعیل صاحب خطیب جامع اہلحدیث گوجرانوالہ کا قربانی سے متعلق ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا محور اور اصل مقصد یہ تھا کہ عید کے بعد کتنے دِن قربانی درست ہے، تقریباً سات قول انہوں نے اس مسئلہ میں نقل کئے تھے۔ ان میں سے ایک قول یہ تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صرف تین دِن تک قربانی ہو سکتی ہے۔ ایک دِن عید کا اور دو دن بعد کے۔ حضرت امام شافعیؒ اور بعض دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ قربانی کے دِن عید کے بعد تین ہیں، اس کے بعد مولانا نے اپنے مسلک کو ترجیح دی اور ان کو اس کا حق تھا مگر انہوں نے دوسرے گروہ کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کئے جو ان کی شان کے مناسب نہیں تھے، بلکہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے ادنیٰ تعلق رکھنے والا آدمی اس مضمون کو ان الفاظ کے ہوتے ہوئے کبھی حضرت مولانا کی طرف منسوب نہ کرتا۔ اگر مولانا کا نام لکھا ہوا نہ ہوتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مولانا نے بالخصوص علماء احناف پر بہت حملے کئے ہیں۔ ان کے اصل بعض الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

اپنے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کیونکہ باقی مسلک یا تو بالکل بے دلیل ہیں یا ان کی بنیاد محض آثار صحابہؓ پر ہے۔ چنانچہ احناف کے مسلک کا بھی یہی حال ہے اور پھر ان آثار میں غرابت بھی ہے الخ آگے لکھتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا مسلک جمہور کا مسلک ہونے کے علاوہ دلیل کے لحاظ سے بھی نسبتاً مضبوط

ہے الخ پھر آگے فرماتے ہیں:۔

اور صاحب تعلیق المغنی نے نصب الرأیہ کا اقتباس نقل فرمایا ہے، جس سے جبیر رضؓ بن مطعم کی حدیث کا مقام ظاہر ہو جاتا ہے اور اس سے احناف کا مسلک اور ان کے دلائل کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ دیانت دار آدمی کے لیے دونوں مسلکوں میں ترجیح کے وجوہ آشکارا ہو جاتے ہیں معاملہ کی تہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں۔ مگر تنگ دل اور متعصب کے لیے نصوص بھی کفایت نہیں کر سکتے۔ پھر اور آگے چل کر تحریر فرمایا۔ بعض کم فہم اور متعصب حضرات سارا زور جبیرؓ ابن مطعم کی حدیث اور جرح میں صرف کر دیتے ہیں الخ پھر آگے علامہ ترکمانی حنفیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

لیکن علامہ ترکمانی کی روش عجیب ہے وہ اپنے مخالف کو کبھی نہیں بخشتے اور نہ ہی کسی کو جائز رعایت دینے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے مسلک کی تمام کمزوریوں پہ پردہ ڈالنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی ان عبارات پر گرفت کرتے ہوئے حضرت العلام استاذی المکرم مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر خطیب جامع مسجد گکھڑ منڈی نے ایک رسالہ بنام "مسئلہ قربانی" لکھا اور اس میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہ، باوجودیکہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہؒ کا مسلک صحیح حدیث پر مبنی ہے اور اکثر امت کا اسی پر عمل رہا ہے، اور اب بھی ہے۔ مگر ایں ہمہ ہم فریق ثانی کے حق میں کم فہم متعصب تنگدل اور بددیانت وغیرہ کے الفاظ کی نسبت کرنا انتہائی گستاخی اور بے ادبی سمجھتے ہیں کس منہ سے ہم حضرت امام شافعیؒ اور ان کے مقلدین کو یہ لفظ کہہ سکتے ہیں (مسئلہ قربانی ص۴۲) مولانا سرفراز صاحب نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے ذیل کے امور میں اختلاف کیا اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

(۱) مولانا کا احناف کو بے دلیل کہنا خلاف واقع اور بے دلیل ہے کیونکہ ان کے پاس صحیح بخاری اور مسلم شریف وغیرہ کی روایت موجود ہے، اور امام ابن قدامہؒ کی پوری عبارت اس کی تشریح میں نقل کی۔

(۲) قبلہ مولانا کا یہ فرمانا کہ احناف کی بنیاد محض آثار صحابہ پر ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے،

کیونکہ ان کی بنا مرفوع حدیث پر ہے۔

(۳) مولانا کا یہ ارشاد فرمانا کہ ان آثار میں بھی غرابت ہے، یہ بھی غلط ہے چنانچہ حضرت العلام استاذی المکرم نے مسئلہ قربانی میں صحابہؓ کے بعض صحیح آثار نقل کئے اور جن آثار صحابہؓ کو علامہ زیلعیؒ نے غریب جداً کہا تھا اس کی معقول وجہ بھی بتلائی۔

(۴) مولانا نے جو اپنے مسلک کو جمہور کا مسلک کہا ہے یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جمہور امت وہ ہے جو صدیوں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکار ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ وغیرہ ائمہ اور ان کے مقلدین گرامی میں شامل ہیں لیکن جمہور امت اور اکثریت کا مصداق وہ نہیں ہیں۔ امت کی اکثریت اور جمہور دوسری طرف ہیں۔

(۵) مولانا کا باوجود سنجیدہ مزاج اور وسیع المشرب ہونے کے دوسری جانب کے حق میں کم فہم، بددیانت، متعصب اور تنگدل وغیرہ جیسے نامناسب الفاظ کا استعمال یقیناً مناسب اور مستحسن اقدام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ائمہ ثلاثہ اور ان کے مقلدین فقہا، اور محدثین دوسری جانب کو ترجیح دیتے ہیں اور حضرت جبیرؓ بن مطعم کی حدیث پر اصول روایت کے تحت سخت جرح کرتے ہیں، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے قاعدہ کلیہ کے اعتبار سے وہ بددیانت، تنگدل، کم فہم اور متعصب ٹھہرے۔

یہ تھے وہ الفاظ جن سے حضرت العلام استاذی المکرم دامت برکاتہم نے دیانۃً مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے اختلاف کیا، اور مسئلہ قربانی لکھا جس کے جواب میں تقریباً ایک سال کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ایک شاگرد رشید حافظ محمد قاسم صاحب خطیب اہلحدیث جہلم نے ایک رسالہ شائع کیا جس کا نام ایام قربانی بجواب مسئلہ قربانی رکھا ہے۔ حضرت العلام نے اس کا جواب دینا پسند نہ کیا اور نہ ہی ان کو اس کا جواب دینا چاہیے تھا کیونکہ اس میں کوئی علمی اور تحقیقی بات تو ہے ہی نہیں، بلکہ حافظ محمد قاسم صاحب نے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اس کو سوقیانہ الفاظ اور مولویانہ گالیوں کا پلندہ بنا کر اس قابل بھی نہیں چھوڑا کہ کوئی شریف آدمی اس کو بخوبی پڑھ سکے وہ اس کا جواب کیسے دے سکتا ہے، بہ حضرت العلام کی طرف سے کامل انکار کے بعد دوستوں نے مسلسل اصرار کر کے بندہ کو اس پر مجبور کر دیا کہ ناچیز ہی اس رسالہ

پر کچھ لکھے، حافظ محمد قاسم صاحب کے رسالہ کا بندہ نے مطالعہ کیا۔ اور اصولی طور پر یہ تین ہی چیزیں اس میں ملیں۔

(۱) حضرت العلام استاذی المکرم کو خوب دل کھول کر گالیاں دی ہیں۔

(۲) غلط مبحث کہ بلا وجہ تقلید، مقلدین اور صاحب ہدایہ پر برس کر اپنی عدم موقع شناسی کا ثبوت دیا ہے۔

(۳) مسئلہ قربانی کے اصل مبحث سے استدلالی اور تنقیدی طور پر بھی کچھ کہنے کی بیکار اور لاحاصل کوشش کی ہے، لہذا ہم سہولت کے لیے اس رسالہ کو تین بابوں پر تقسیم کرتے ہیں اور پڑھنے والوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان کا نظر انصاف سے بغور مطالعہ فرمائیں۔

باب اوّل

اِس باب میں حافظ محمد قاسم صاحب نے شکست خوردہ جواریئے کی طرح خوب دل کھول کر حضرت العلام کو گالیاں دی ہیں، چنانچہ حضرت العلام استاذی المکرم کے متعلق لکھتے ہیں (۱) یہ قادیانی انداز جستجو ان کے ہاں کیوں مرغوب ہے ص۳ (۲) یہ اتہام بازی کا رسوائے عالم طرز کا عمل نہایت گھناؤنا ہے ص۴ (۳) آپ اس افتراء اور اخلاق کے بغیر بھی لکھ سکتے تھے، بشرطیکہ آپ علمی افلاس کا شکار نہ ہوتے ص۴ (۴) آپ جیسا پھوہڑ پن ص۵ (۵) مولوی سرفراز کی کم فہمی ملاحظہ ہو ص۷ (۶) مولوی سرفراز خاں صاحب چراغ پا ہیں ص۸ (۷) کہ آپ کے کم علم اور جاہل ہونے میں کوئی کسر باقی ہے؟ ص۹ (۸) اور ایسے ذوالوجوہ مسئلے پر عام مسلمانوں میں منافرت پھیلانے والا آدمی کیا تنگ دل اور کم فہم نہیں ہے؟ ص۹ (۹) چنانچہ اس ناتراشیدہ ذہن کی وجہ سے ان الفاظ کا ہدف اپنے آپ کو سمجھا ص۹ (۱۰) اسی مکروہ طرز استدلال سے ص۹ (۱۱) مولوی سرفراز خانصاحب نے اپنی کج فہمی یا افترا پردازی کی بنا پر ص۱۰ (۱۲) تا اختتام مضمون یہ کوتاہ نظری اپنی جھلک دکھاتی رہی ہے ص۱۰ (۱۳) اور اپنی کم فہمی کی وجہ سے بناء الفاسد علی الفاسد کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں صراط مستقیم سے بھٹکتے پھرے ص۱۰ (نہ معلوم صراط مستقیم قربانی کے لیے چار دن تسلیم کرنے میں منحصر ہے یا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پر گرفت نہ کرنے میں دیکھئے کیا ارشاد ہوتا ہے۔

(۱۴) مولوی سرفراز خانصاحب کی کم فہمی ملاحظہ فرمایئے ص۱۶ (۱۵) آپ نے مسمریزم کے شعبدے سے بھاپ بنا کر اڑا دیئے ہیں ص۱۹ (۱۶) انسانی نفسیات سے لاعلم شخص ہی ایسا معنی کر سکتا ہے جیسا کہ

کہ مولوی سرفراز صاحب کر رہے ہیں صـ۲۲ (۱۷) لو پھر جمہور کا استدلال بالکل بے غبار ہے۔ لکھتے ہوئے شرم آنی چاہیئے صـ۲۳ (علم و عقل کو کام میں لایئے صـ۲۵ (۱۹) اور ان دوائڑوں کی بنا پر آسمان سر پہ اٹھا رکھا ہے صـ۲۶ (۲۰) مولوی سرفراز خاں صاحب پھولے نہ سماتے تھے صـ۲۶ (۲۱) مولوی سرفراز خاں صاحب تہی دست ہونے کے باوجود آگ بگولا ہو گئے صـ۲۷ (۲۲) کیا مغلظات ہی سُنانا مقصود تھا صـ۲۷ (۲۳) مولوی سرفراز خاں کو امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنے سے کیوں آگ لگ جاتی ہے صـ۲۷ (۲۴) یہ رقیق رکاکت سے نہیں بلکہ قاف سے) جملے اور بازاری لب ولہجہ اختیار کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ ۳۱ صفحات کے رسالہ میں یہ مولویانہ گالیوں کی بھرمار ہے اور اس کا احساس خود حافظ صاحب کو بھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی اعتراف ہے کہ بعض بعض جگہ پر انداز بیان کچھ سخت ہو گیا ہے (ایام قربانی صـ۳) شاید کچھ سخت اسی کا نام ہو گا؟

مولانا حافظ محمد قاسم صاحب خدارا فرمایئے کہ یہ گالیاں آپ نے کس سے سیکھی ہیں ان میں آپ کا استاذ کون ہے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب یا کوئی اور جو آپ کا استاذ المکرم ہے اس کا نام بتلایئے کیا آپ کو اساتذہ کرام نے آمین بالجہر سینہ پر ہاتھ رکھنے اور پاؤں پھیلا کر نماز پڑھنے کی حدیثیں ہی پڑھائی ہیں یا یہ حدیثیں بھی پڑھائی ہیں۔

لیس المومن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی

یعنی مومن نہ تو طعن کرتا ہے اور نہ لعن اور نہ فحش کلامی کرتا ہے اور نہ بیہودہ گوئی۔

من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ

یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی میں یہ داخل ہے کہ لایعنی امور سے گریز کرے۔

المسلم من سلم المسلمون من یدہ ولسانہ (او کما قال)

مسلمان وہ ہوتا ہے کہ دوسرے مسلمان اس کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہیں۔

یہ حدیثیں بھی کسی کامل استاد سے پڑھ لیں صرف آمین بالجہر وغیرہ کی حدیثوں پر عمل کرنے سے آپ اہلحدیث ہرگز نہیں بن سکتے، آپ ہر کام ہر بات ہر ادا میں جناب سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی جب تک نہ کریں گے پورے مسلمان ہرگز نہیں ہو سکتے۔ یقین کیجئے ہمارے منہ میں بھی زبان ہے اگر ہم بھی آپ کو ایسی ہی بے نقط سنانا شروع کر دیں تو آپ سے بھی زیادہ سنا سکتے ہیں مگر قرآن کریم اور حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے خدانخواستہ اگر ہم آپ کی طرح فرمان خدا اور رسول کے خلاف ہو کر کچھ کہیں بھی تو یقین مانئے کہ قبلہ استاذی المکرم حضرت العلام ضرور ناراض ہوں گے کیونکہ وہ انتہائی سنجیدگی سے بات کرتے ہیں اور علمی طور پہ دلائل و براہین سے دوسروں پہ تنقید کے عادی ہیں، ایسے فرشتہ سیرت اور ٹھنڈی طبیعت کے مالک ایسی بیہودگی اور لایعنی باتوں کو کب پسند کر سکتے ہیں ہاں اگر حضرت استاذ العلام آپ کے استاد محترم کے حق میں یہ الفاظ استعمال کرتے تو آپ کو بھی ایسا ہی کہنے کا حق تھا مگر یقین کیجئے کہ ایسا کوئی لفظ حضرت العلام نے مولانا محمد اسمٰعیل کے حق میں نہیں کہا چونکہ مولانا موصوف نے ثانی گروہ کے حق میں تنگدل متعصب اور کم فہم وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے تھے ان الفاظ کے پیش نظر حضرت العلام نے یہ کہا ہے، لیکن مولانا نے فریق ثانی کے حق میں جو جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ خود غمازی کر رہے ہیں کہ مولانا باوجود سنجیدہ اور متین ہونے کے انتہائی تعصب کا شکار ہیں، جناب حافظ محمد قاسم صاحب کی ایک عبارۃ ملاحظہ کیجئے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البادی اظلم کہ ابتدا کرنے والا زیادہ ظالم ہے اور ویسے بھی کسی جماعت کے راہنما اور مقتدر پہ کیچڑ اچھالنا نہایت معیوب ہے، لوگوں کے اپنے پیشواؤں کے بارہ میں احساسات نہایت نازک ہوتے ہیں، بلفظہٖ ایام قربانی صلا ۲۱، قبلہ حافظ صاحب یہ ارشاد فرمایئے کہ مسئلہ قربانی کے سلسلہ میں تنگدل متعصب وغیرہ کے الفاظ اپنے مخالف کو حضرت العلام استاذی المکرم دام مجدہم نے پہلے کہے ہیں یا کہ قبلہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے آپ کے خیال کے مطابق اس حدیث کے پیش نظر زیادہ ظالم آپ کے نزدیک شیخ الحدیث اور استاد محترم ٹھہرتے ہیں یا اور کوئی فرمایئے طبیعت صاف ہوئی یا نہیں اور پھر آپ نے شاید حدیث کا یہ حصہ ھالم یتعد المظلوم کہ ابتدار کرنے والا زیادہ ظالم ہوا ہے مگر جب تک کہ مظلوم تعدی نہ کرے، ورنہ تو مظلوم کا ظلم بڑھ جائے گا) اس مصلحت کے تحت ہضم کر دیا ہے کہ آپ پر آنچ بھی نہ آئے اور خوب دل

کھول کر گالیاں بھی دے لیں۔ الغرض اس حدیث کے اول حصہ کے مصداق آپ کے نزدیک تو آپ کے استاذ مکرم نظر آتے ہیں اگر بالفرض آپ مظلوم ہیں تو ما لم ینعد المظلوم کا مصداق آپ ہی ہیں، نمونہ پہلے گزر چکا ہے عیاں راچہ بیاں، اور یہ بھی فرمایئے کہ امام طحاویؒ، علامہ ترکمانیؒ اور جمہور امت کے بارہ میں ہمارے بھی کچھ احساسات ہیں یا یہ احساس صرف جناب والا کو ہی الاٹ ہو چکا ہے، حافظ محمد قاسم صاحب کا افترا اور بہتان ذرا ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں کہ مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے ہمیں گالیاں دی ہیں (انتہی بلفظہ ایام قربانی ص ۲) حافظ صاحب نے بقول خود مرزا آنجہانی کی طرح اپنی گالیوں کے لیے وجہ جواز تلاش کرنے کے لیے یہ اتہام حضرت العلام استاذی المکرم پر لگایا ہے ورنہ مسئلہ قربانی میں خط کشیدہ جملہ کہیں بھی نہیں یہ حافظ صاحب کا سفید جھوٹ اور خیانت ہے، حافظ صاحب کیا آپ نے اپنے اساتذہ سے یہ حدیث نہیں پڑھی۔

یطبع المؤمن علی الخلال کلہا الا الخیانۃ والکذب او کما قال۔ — یعنی مومن میں جملہ بری خصلتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ مگر خیانت اور جھوٹ نہیں آ سکتے۔

حافظ محمد قاسم صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

ان مذاہب سے پہلا اور دوسرا مذہب عامۃ المسلمین میں معمول بہا ہے فقہاء حنفیہ کا رجحان پہلے مسلک کی طرف ہے، ہمارے ملک میں چونکہ عام لوگ حنفیہ ہیں اور دوسرے مسلک کو ناپسند کرتے ہیں اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ دوسرے مسلک کی وضاحت کی جائے تاکہ کم علم اور نااہل لوگ عامۃ المسلمین میں منافرت، نہ پھیلا سکیں اور مسلمان جس مسلک پر چاہیں عمل کریں۔ (بلفظہ ایام قربانی ص۵، ۶) حافظ صاحب آپ کب تک عوام کو دھوکہ دیں گے۔ اگر مولانا محمد اسماعیل صاحب کی یہی عبارت ہوتی تو اس سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے، ہر آدمی کو اپنے فہم و علم کے مطابق مسلک اختیار کرنے کا حق ہے اختلاف تو مولانا موصوف کے اس نظریہ اور اُن الفاظ سے ہے جن کے تحت وہ احناف کو بے دلیل وغیرہ کہتے ہیں، اور اپنے مخالفین کے حق میں

تنگدل کم فہم اور متعصب وغیرہ کے سنگین الفاظ استعمال کرتے ہیں، نیز حافظ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے الاعتصام والے مضمون پر اور کسی نے گرفت نہیں کی صرف حضرت العلام مدظلہ نے کیوں کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب بھی سینکڑوں علماء اہلحدیث موجود ہیں، انہوں نے اپنے مخالفین کے متعلق تنگدل متعصب اور کم فہم کے الفاظ کیوں نہ استعمال کئے اور یہ جہاد صرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے کیوں کیا؟ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

باب دوم

جناب حافظ محمد قاسم صاحب نے خلط مبحث کر کے ایام قربانی میں تقلید اور مقلدین حضرات پر بھی خوب بمباری کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

لیکن تقلیدی طوق و سلاسل میں دبے ہوئے انسان کے لیے عام مسلمانوں کو ایسی آزادی کا مشورہ دینا کیسے پسند آسکتا تھا۔ اگر عام مسلمان اختلافی مسائل میں حسب مسلک پر چاہیں عمل کرنا شروع کر دیں تو صدیوں کی عاید کردہ تقلیدی بندشوں کا جال تار تار ہو جائے گا۔ بظاہر اس معمولی مشورے نے آنِ واحد میں صدیوں کے تعمیر شدہ حصار تقلید کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اندھی تقلید کرنے والوں کے لیے اس سے زیادہ سوہانِ روح اور کون سی بات ہو سکتی ہے۔ (بلفظہٖ) پھر آگے لکھتے ہیں:۔

واقعی مقلد آدمی کی نظر میں اس سے بڑھ کر کیا تعصب ہو سکتا ہے (ص۷) اور لکھتے ہیں اندھی تقلید کا خدا برا کرے (ص۱۲) غالباً اس لیے کہ کہیں تقلید کی چولیں ڈھیلی نہ ہو جائیں ص۲۱) لیکن برا ہو تعصب کا اور اندھی تقلید کا یہ انسان کو حق سمجھنے سے دور رکھتے ہیں ص۳۰)

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ محمد قاسم صاحب مغلوب الغضب ہو کر مقلدین اور تقلید کے خلاف خوب زہر اگل رہے ہیں اور گویا یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ایک کامل مجتہد اور علامۂ دوران صدیوں کی تقلید کی اینٹ سے اینٹ بجا رہا ہے تقلید کے جملہ اطراف پر جو کتاب بنام الکلام المفید لکھی گئی ہے، وہ آپ کی طبیعت انشاء اللہ اچھی طرح صاف کر دیگی،

تسلی رکھیئے، لیکن یہ تو فرمایئے کہ سرسید احمد خاں عبداللہ چکڑالوی، اسلم جیراج پوری، ڈاکٹر احمد دین امکالی گڑھی وغیرہ ترک تقلید کی وجہ سے امت کے لیے باعث فتنہ ہوئے ہیں یا تقلید کرنے کی وجہ سے ؟ آج جتنے بھی منکرین حدیث ہیں ان کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو غیر مقلد ہیں (الاماشاءاللہ) حافظ صاحب اگر کوئی شخص قرآن کریم اور حدیث شریف اور علوم عقلیہ اور نقلیہ پر گہری نگاہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ تقویٰ اور ورع سے بھی بہرور ہو۔ اور ہوائے نفسانی کا سر پر نہ ہو، تو ایسا کامل اور خدا رسیدہ تقلید کا محتاج نہیں۔ لیکن ہر کہہ و مہہ کو تقلید سے متنفر کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ بلکہ ایسے ماحول میں ترک تقلید گمراہی کا دروازہ ہے۔ اور صدیوں کے اسلامی حصار پر ایک ضرب کاری ہے لیجئے مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اہلحدیث کی بھی سن لیجے، وہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ قرآن اور حدیث سے بے خبر لکھتے ہوں اور علوم عربیہ ادبیہ سے محض ناآشنا ہوں صرف اردو و فارسی تراجم پڑھ کر یا لوگوں سے سن کر یا ٹوٹی پھوٹی عربی جان کر مجتہد اور بہرہات میں تارک تقلید بن بیٹھے ہیں۔ ان کے حق میں تقلید کا چھوڑنا بجز گمراہی کے کسی ثمرے کی توقع نہیں ہو سکتی۔ ہم کو پچیس برس کے تجربے سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے مجتہد اور تارک تقلید بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کہہ بیٹھتے ہیں، گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں (بلفظہٖ اشاعت السنہ ۱۸۸۸ء) حافظ محمد قاسم صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث کا مطلب بیان کرنے میں اس قسم کی قیاس آرائیاں مولوی صاحب کی ایجاد نہیں ہیں یہ بیچارے تو مکھی پر مکھی مارنے والے ہیں۔ اگر آپ نے ہدایہ شریف کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو اس بات کا سراغ لگانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی کہ اس قسم کی حدیث فہمی کا موجد کون ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کل اھاب اذا دبغ فقد طھر   کہ ہر چمڑا جو رنگ لیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ کتے کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ ابھی خدا کا شکر کیجیے کہ خنزیر کو مستثنیٰ قرار دے رہے ہیں ورنہ اس کا چمڑا بھی۔ پھر فرماتے ہیں جس جانور کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اسے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے اس کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے سمجھے آپ

کا مطلب کیا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ گوشت کھانا جائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کتے کے چمڑے کا مصلیٰ بنانا جائز ہے اور اس کا گوشت پتے باندھ کر نماز پڑھنی جائز ہے۔ دیکھا آپ نے حدیث کا کیا حکم تھا اور انہوں نے کیا سمجھا یہ ہیں ان لوگوں کی حدیث فہمی کے نمونے اور یہی مولوی سرفراز خاں صاحب کے ساقی (بلفظ امام قربانی ص۲) حافظ محمد قاسم صاحب ذرا غور فرمائیے صاحب ہدایہ تو کتے کو نجس مانتے ہیں، ہاں نجس العین نہیں مانتے اور عموم حدیث سے صرف عقلی دلیل کے تحت دباغت کے بعد کتے کے چمڑے کو طاہر ثابت کرتے ہیں یہ ان کی دلیل صحیح ہے یا غلط صواب ہے یا خطا لیکن اپنی اس عقلی دلیل کی ذمہ داری قرآن و حدیث پر نہیں ڈالتے اور خنزیر کو بھی باقرار حافظ محمد قاسم صاحب صاحب ہدایہ مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ اب ذرا اپنے گھر کی خبر بھی لیجئے شراب، قے، دم مسفوح، میتہ اور خنزیر پاک ہیں، نجس نہیں۔ آپ کتے کو رو رہے ہیں۔ یہاں تو نفس خنزیر بھی نجس نہیں بلکہ پاک ہے، اور لطف یہ کہ وہ بھی غیر مشروط کہ تذکیہ شرط نہ تسمیہ، سنئے نواب صدیق حسن خاں صاحب اہلحدیث لکھتے ہیں۔ ثابت نگر دیدہ تحریم خمر است نہ نجاست خمر (بدور الاہلہ ص۲) اور لکھتے ہیں۔

مذہب راجح در خمر طہارت اوست نہ نجاست (دلیل الطالب ص۴۰۹) اور دلیل الطالب ص۴۱۳ میں لکھتے ہیں۔

منی، دم مسفوح (ذبح کرتے وقت جو خون بہ جاتا ہے) بیتہ (جو جانور از خود مر جائے) اور قے پاک ہیں، کیونکہ، اصل در اشیاء طہارت است۔ لیجئے لگے ہاتھوں خنزیر کی طہارت کا حوالہ بھی سن لیجئے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں۔

ہمچنیں استدلال بر نجاست خنزیر بلفظ رجس کہ بضمیر بیست چہ مراد برجس حرام است نہ نجس (بدور الاہلہ ص۱۶)

حافظ صاحب کو صاحب ہدایہ کی عبارت پڑھی اور پری لگی ہے، یہاں ان کے گھر میں خیر سے شراب قے اور دم مسفوح سب پاک ہیں حد یہ کہ پورا خنزیر بھی نجس نہیں، شراب و قے سے وضو کر لیجئے اور خنزیر کا گوشت سیروں پلے باندھ لیجئے، جب پورا خنزیر نجس نہیں

تو اس کے چمڑے نے کیا قصور کیا ہے اس کا مصلےٰ بنا لیجیے، اس پر کھڑے ہو کر حافظ صاحب شان و شوکت سے رمضان شریف میں قرآن سنایئے لطف آئے گا، حافظ صاحب آپ شیش محل میں رہ کر دوسروں پر پتھراؤ کرتے ہیں۔ ذرا ہوش میں آیئے ؎

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پر حماقت تو دیکھئے

ضرورت تو نہ تھی کہ ہم ایسی باتیں لکھتے مگر ؎

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

خود کردہ را چہ علاج، یہ بھی مت بھولیے کہ نواب صاحب لکھتے ہیں بسم اللہ کی باء سے تمت کی تاء تک میری کتاب ہدیۃ المہدی میں جو کچھ ہے وہ قرآن اور حدیث کا ست اور نچوڑ ہے، ملاحظہ ہو۔

وتمامہ آں از بائے بسم اللہ تا تائے تمت در آغوش ادلۂ نیرہ کتاب وسنت ہرگز از باد صحرای دراں آسیبی نہ بینی۔

آگے لکھتے ہیں۔

الحاصل آنچہ دریں کتاب بزبان خامہ سپردہ آمدہ عصارۂ قرآن و حدیث است از تعلیلات اقوال رجال و تفریعات قیل وقال در آں اثری و عینی نیست (ہدیۃ المہدی صفحہ)

گویا قرآن کریم اور حدیث شریف سے شراب، مینگنی، قے، دم مسفوح اور خنزیر کی طہارت ثابت ہوگئی ہے (العیاذ باللہ) کچھ سمجھے حافظ صاحب کیا یہ ترک تقلید کی کرامت اور اعجاز نہیں؟

؏ فلک مانیز زبانے و بیانے دارد!

یہ مت بھولیے کہ اگر فقہائے احناف وغیرہ نے بالفرض لاکھ غلطیاں بھی کی ہوں گی، تو یقین جانیئے کہ اپنی عقلی غلطیوں کو ذمہ داری کے ساتھ قرآن کریم اور حدیث شریف کا عصارہ اور نچوڑ نہ کہا ہو گا حافظ محمد قاسم صاحب نے صاحب ہدایہ کے حوالے سے جو

حدیث ان الفاظ سے کل اھاب اذا دبغ فقد طھر نقل کی ہے۔ یہ ان کی خطا اور سہو ہے، صاحب ہدایہ نے یہ حدیث یوں نقل کی ہے ایما اھاب دبغ فقد طھر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حافظ محمد قاسم صاحب کے چند علمی اور تحقیقی کرشمے ہم قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لیے یہاں ہی نقل کر دیں۔

تحقیق (۱) اگر واقعی ان ائمہ کا تذکرہ آپ کو ناگوار ہے تو یہ جرم علامہ بدرالدین عینیؒ حافظ ابن حجرؒ سے صادر ہوا ہے الخ صلا

جواب :۔ ہم کو ان ائمہ کا ذکر ناگوار نہیں گندا ہم تو ان کے ذکر کو باعث نزول رحمت خداوندی سمجھتے ہیں دیکھئے ہمارے اکابر کی کتب وہاں ہم یہ فرق بتلاتے ہیں کہ ایک وہ امام جن کی لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں نے تقلید کی ہو۔ ان میں اور ایسے امام میں جس کی تحقیق اپنی ذات تک یا محدود حلقہ تک محصور رہی ہے۔ ان میں فرق ہے۔

(۲) مولانا کو امت کی اکثریت کا بڑا شوق ہے۔ اگر مولانا کربلا کے میدان میں ہوتے تو لازماً قاتلان حسینؓ کی صفوں میں ملتے، کیونکہ امت کی اکثریت یزید کے ساتھ تھی الخ صلا۔

جواب :۔ نہ معلوم حافظ محمد قاسم کو اپنا لکھا ہوا کیوں یاد نہیں رہتا ع
تمہیں عادت ہے بھول جانے کی

حافظ صاحب آپ نے اپنے استاد محترم کے حوالہ سے پہلے صہ میں خود نقل کیا ہے کہ ان مذاہب سے پہلا اور دوسرا مذہب عامۃ المسلمین میں معمول بہا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف تین دن قربانی کرنا بھی جائز اور مسلمانوں میں معمول بہ رہا ہے۔ کیا حافظ صاحب یزید کا عمل بھی جائز تھا ؟ یا شریعت کے ہاں یہ معمول بہ ہو سکتا ہے ؟ اور کیا امت کی اکثریت یزید کے ساتھ تھی ؟ اور سب کے سب میدان کربلا میں امام حسینؓ کے خلاف صف آراتھے کچھ تو غور کریں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔؟ ع
میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

(۳) اور مولانا صاحب اکثریت کی حقانیت پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں، پھر آگے

لکھاہے۔ امت کی اکثریت کا قبول اگر معیار قرار دیا جائے تو حق کی صداقت کا معیار عوام ہوں گے، پھر آگے لکھا ہے۔ اب پوچھئے علمائے دیوبند سے کہ قائداعظم حق پر تھا یا حسین احمد صاحب مدنی ؒ (الخ ص ۱۱)

جواب :- حافظ صاحب حضرت العلام استاذی المکرم ماشاء اللہ اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ قرآن و حدیث اور ہر بات کو سمجھتے ہیں۔ آپ خود سمجھنے کی کوشش کریں ایک ہے مطلق اکثریت وہ ہمیشہ گمراہوں کی رہی ہے اور آیت وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ الآية کا یہی مصداق ہے اور ایک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اکثریت وہ کبھی گمراہی اور ضلالت پر جمع نہیں ہوگی، کیا آپ کو اساتذہ کرام نے یہ حدیثیں نہیں پڑھائیں۔

وواحدة فی الجنة وھی الجماعة اور انّ اللہ لا یجمع امتی او قال امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) علی ضلالة وید اللہ علی الجماعة اور اتبعوا السواد الاعظم)

وغیرہ جیسے آپ نے قرآن کریم یاد کرکے حافظ ہونے کی ڈگری حاصل کی ہے اسی طرح چند دن پھر کامل استاد کے پاس رہ کر یہ اور اس مضمون کی دوسری حدیثیں بھی حاصل کرلیں۔ اور یہ بھی آپ کی کوتاہ فہمی ہے۔ کہ آپ اس پرفتن دور کے عوام اور بے عمل لوگوں کو امت کی اکثریت کا مصداق اور معیار سمجھ کر اس پہ اعتراض کی بنیاد رکھتے ہیں، جب مطلق امت کا ذکر ہوگا تو اس سے صحیح معنوں میں امت مراد ہوگی نہ کہ مردم شماری کی امّت اور صحیح معنوں میں جو امت ہوگی وہ حق پر ہوگی، باقی نہ معلوم سینکڑوں مثالیں ہوتے ہوئے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ؒ کا ذکر شاید اس لیے کیا ہو کہ چونکہ عوام میں وہ کانگرسی مشہور ہیں۔ اس لیے ان کا نام آتے ہی لوگ ان سے اور ان کے پیروکاروں سے متنفر ہو جائیں گے اور ایام قربانی کو اہل پاکستان عقیدت کی نگاہوں سے پڑھیں گے، مگر حافظ صاحب لوگ مسئلہ پہ دلیل دیکھیں گے، ان باتوں سے ان پر مطلق دینی مسئلہ میں کوئی اثر نہ ہوگا نیز حافظ صاحب یہ بھی فرمائیں کہ کیا صرف حضرت مدنی ؒ ہی دیوبندیوں کے مقتدا ہیں یا حضرت مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی ؒ بھی، سوچ سمجھ کر جواب دینا؟

(۴) حافظ صاحب حضرت العلام کے حوالے سے یہ نقل کر کے کہہ چکے ہیں کہ ان تین دنوں

پرامت کی اکثریت کا اجماع ہوچکا ہے۔ لکھتے ہیں تو اس اجماع کی حقیقت ہماری زبانی نہیں بلکہ حافظ ابن حزمؒ کی زبانی سنیئے (محلی جلد ۱ صفحہ ۲۳۹) پھر عبارت نقل کرکے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے) فرماتے ہیں اگر یہ اجماع ہے تو اس کی مخالفت عطاؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، حسن البصریؒ، امام زہری، ابوسلمہؒ، سلیمانؒ ابن یسارؒ اوزاعی نے کی ہے اور ہلاکت ہے اس اجماع کے لیے جس سے یہ ائمہ خارج ہوں (صفحہ ۲۳، ۲۴)

جواب :- حافظ صاحب ذرا دماغ پر بوجھ ڈال کر حقیقت سمجھیے حضرت العلام نے یہ دعوے نہیں کیا کہ اس پرامت کا اجماع ہے وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر امت کی اکثریت کا اجماع ہے اور حافظ ابن حزمؒ ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو اس مسئلہ پر کلی اجماع کا دعوے کرتے ہیں۔ کیا حافظ صاحب آپ کے نزدیک کلی اجماع اور مطلق اجماع میں فرق نہیں ؟ کسی کامل استاد سے یہ مسئلہ بھی سمجھ لیجئے۔

(۵) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنا مسلک جمہور کا مسلک تبلایا تھا۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے حضرت العلام نے کہا نہ یہ جمہور کا لغوی معنی درست ہے اور نہ اصطلاحی۔ کیونکہ لغت میں جمہور کے معنی آتے ہیں ہم مردم حالانکہ سب مسلمان ان کے ہمنوا نہیں ہیں بلکہ ائمہ ثلاثہ اور ان کے جملہ مقلدین اس کے خلاف ہیں۔ اس پر حافظ محمد قاسم صاحب حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں، شاید ان کے نزدیک امام شافعیؒ اور ان کے جملہ مقلدین حضرت علیؓ، ابن عباسؓ عطاؒ، حسن بصریؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، سلیمان بن موسیٰؒ، سدیؒ، مکحولؒ، داؤد ظاہریؒ، اوزاعیؒ، ابن المنذرؒ یہ سب ہم مردم کی تعریف سے باہر ہوں گے۔ اندھی تقلید کا خدا بُرے کرے۔ کہ وہ اتنے بڑے اماموں کو آدمی بھی نہیں سمجھنے دیتی صفحہ ۱۷

جواب :- حافظ صاحب کا افتراء اور بہتان ملاحظہ کیجئے کہ وہ کس طرح ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اندھی تقلید کا خدا بُرا کرے کہ وہ اتنے بڑے اماموں کو آدمی بھی نہیں سمجھنے دیتی، حافظ صاحب ذرا ہوش میں آئیے۔ یہ کس نے کہا ہے کہ یہ آدمی نہیں تھے (العیاذ باللہ ایسا افتراء تو وہی شخص کر سکتا ہے جو بے لگام ہو، شاید حافظ صاحب کو ترکِ تقلید میں بڑا اعجاز

نظر آتا ہے کیا حافظ صاحب ہمہ مردم صرف یہی اکابر تھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، بلاشک یہ حضرات امت کے درخشندہ ستارے تھے، لیکن امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے افراد ان کے علاوہ بھی کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں ہو گئے ہیں اور نہ معلوم قیامت تک اور کتنے ہوں گے۔

(۶) حافظ صاحب نے یہ شوشہ بھی چھوڑا ہے کہ ان کی امت نے تقلید نہیں کی۔ اب مولوی سرفراز خان ہی بتائیں گے۔ کہ جس شخص کی تقلید نہ کی گئی ہو کیا وہ حق پر نہیں ہو سکتا۔ اور ابن قدامہؒ کے متعلق بھی فرمائیے کہ ان کی کس نے تقلید کی؟ صلا

جواب:۔ حافظ صاحب اسی کو کہتے ہیں عین زبر بے عف عین زبر پے عف میرا نام محمد یوسف حافظ صاحب کسی کے حق پر ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی تقلید ہی کی گئی ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ناقص کو کامل کی تقلید کرنی چاہیئے۔ ورنہ اسلام کو بھی سلام کہہ بیٹھے گا حضرت العلام نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ صرف اس بات میں مناقشہ کیا ہے کہ ان اماموں میں جن کی کروڑوں مسلمانوں نے تقلید کی ہو ان سے یقیناً امتیازی فرق ہو گا جن کی کسی نے تقلید نہیں کی۔ یا محدود حلقہ نے ہی تقلید کی ہو۔ کیا آپ کو اس سے اختلاف ہے؟

یہ ہیں حافظ صاحب کے علمی اور تحقیقی جواہر پارے جن کی وجہ سے وہ حضرت العلام کو کج فہم، کم فہم، جاہل اور متعصب حتیٰ کہ صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا کہتے ہیں، یہ ہے ایک اہلحدیث عالم اور حافظ قرآن کی دیانت اور انصاف فوا اسفا۔

باب سوم

اس باب میں وہ دلیلیں عرض کی جائیں گی جو حافظ صاحب نے قربانی کے چار دن ہونے پر پیش کی ہیں۔ نیز جو گرفت انہوں نے حضرت العلام کے پیش کردہ دلائل پر کی ہے بغور ملاحظہ کریں۔ حافظ صاحب نے حضرت العلام سے یہ خطرہ ظاہر کیا تھا۔ ہمیں ڈر ہے کہ کل کہیں ویقولون ثلاثہ کا لفظ دیکھ کر یہ کہنا شروع نہ کر دیں کہ تین دن تک قربانی کرنے کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے (بلفظہٖ ایام قربانی ص۱۷) مگر اوروں کو نصیحت کرتے کرتے خود قرآن سے چار دن قربانی کے ثابت کر رہے ہیں، سچ ہے اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت چنانچہ لکھتے ہیں۔

قرآن مجید سے ثبوت

قرآن مجید میں ہے (واذکروا اللہ فی ایام معدودات) قال مقسم عن ابن عباس رضہ الایام معدودات ایام التشریق اربعۃ ایام یوم النحر وثلاثۃ بعدہٗ معنیٰ یہ ہے کہ ایام تشریق چار ہیں اور یہی ایام معدودات سے مراد ہیں یوم النحر اور تین دن اس کے بعد الخ۔

(ایام قربانی ص۲۸)

جواب:۔ اوّلاً حافظ صاحب نے وہ روایت نہ معلوم کیوں نہیں اخذ کی جو مرفوعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایام معلومات کی ایام العشر (دس دن) سے تفسیر کی ہے کہ ان میں کثرت سے تہلیل وتکبیر اور تحمید کیا کرو۔

ثانیاً:۔ اوّلاً حافظ صاحب نے وہ روایت نہ معلوم کیوں نہیں اخذ کی جو مرفوعاً آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایام معلومات کی ایام العشر (دس دن) سے تفسیر کی ہے کہ ان میں کثرت سے تہلیل و تکبیر اور تحمید کیا کرو۔

ثانیاً حضرت ابن عباسؓ سے ایام معلومات کی تفسیر ایام العشر بھی منقول ہے (ابن کثیر ص۲۱۲ ج۲) تو اس لحاظ سے قربانی کے دس دن ٹھہرے، کیونکہ زیادت قابل اخذ ہوتی ہے، آپکے قاعدہ کی رُو سے حضرت ابن عباسؓ تو یہ مسئلہ قرآن مجید سے ثابت کر رہے ہیں، کیا آپ قرآن مجید کا بھی انکار کر دیں گے؟

ثالثاً جھگڑا اس میں نہیں ہے کہ ایام تشریق تین ہیں یا چار ہیں یہ جھگڑا اپنے مقام پر رہے گا۔ اس کے متعلق فتح الباری وغیرہ دیکھئے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور ذرا اپنے مطالعہ کو وسعت دیجئے، قرآن کریم سے یہ ثابت کیجئے کہ ایام اضحیۃ یا ایام النحر چار ہیں۔ پھر یہ بھی نہ بھولیئے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں چار کا لفظ بھی موجود نہیں ہے، کتب تفسیر اٹھا کر دیکھیئے کہ اس آیت کی تفسیر میں اور کتنے اقوال ہیں۔ اگر یہی مطلب ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ قربانی کے صرف تین دن ہی تسلیم نہ کرتے (دیکھئے مسئلہ قربانی لبند جیدؒ) اور اگر قرآن کریم کا یہ حکم ہوتا تو ائمہ ثلاثہؒ اور جمہور اہل اسلام سے یہ معنیٰ ہرگز مخفی نہ رہتا۔ حافظ صاحب کو غیر معصوم اور غیر صریح تفسیر کو قرآن مجید کے ساتھ تعبیر کرنے سے شرمانا چاہیئے، لطف کی بات یہ ہے کہ وبقولون ثلاثۃ میں لفظ ثلاثۃ تو موجود تھا۔ اور یہاں تو لفظ اربعۃ بھی موجود نہیں ہے۔

ع   ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

باقی جو اثر آپ نے حضرت حسن بصریؒ وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ آپ کو چنداں مفید نہیں ہے، کیونکہ آپ کا ضابطہ تو یہ ہے کہ در موقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد (دیکھئے بدور الاھلہ وغیرہ) جب صحابی کا صحیح قول حجت نہیں تو تابعی کی تقلید آپ کے نزدیک کیسے درست ہو گئی؟ مگر مطلب براری بُری بلا ہے کہ آدمی کو حق سمجھنے سے روکتی ہے اسے کہتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو۔

حافظ صاحب کی مرفوع حدیث بھی ملاحظہ کیجئے جو امام زیلعیؒ کے حوالے سے نقل

کرتے ہیں۔

قال علیہ السلام ایام التشریق کلہا ایام ذبح رواہ احمد فی مسندہ وابن حبان فی صحیحہ۔	نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایام تشریق سارے ایام ذبح ہیں، اس حدیث کو امام احمدؒ نے مسند میں اور ابن حبان نے صحیح میں ذکر کیا ہے

مولوی سرفراز خاں صاحب کو شاید دارقطنی کی حدیث کا ہی علم ہے ابن حبان اور مسند احمد کی حدیث کا علم ہی نہیں ہے کہ ابن حبان اس کو اپنی صحیح میں جگہ دے رہے ہیں (مولانا ذرا مطالعہ کو وسعت دیجئے انتہیٰ بلفظہٖ ایام قربانی)

جواب:۔ حضرت العلام استاذی المکرم کو تو یہ حدیث کیا اور بہت سی حدیثوں کا بفضلہٖ تعالیٰ علم ہے ان کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ان کی دیگر کتابوں سے عموماً اور احسن الکلام (فی ترک القرأۃ خلف الامام) سے خصوصاً کر لیجئے، آپ کے اساتذہ کرام کو بھی کھلے لفظوں میں حضرت العلام کی وسعتِ مطالعہ کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ یہ روایت مسند احمدؒ جلد ۴ صہ ۸۲ میں ہے مگر حسب تصریح حافظ ابن کثیرؒ یہ منقطع ہے کیونکہ اس کی سند میں سلیمانؒ بن موسیٰ الاشدقؒ نے حضرت جبیرؓ ابن مطعم کا زمانہ نہیں پایا۔ ابن کثیر جلد ا صہ ۲۴۲ اور یہ کمزور بھی ہے امام نسائیؒ فرماتے ہیں لیس بالقوی فی الحدیث امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں اس کی حدیث میں بعض اضطراب ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں عندہٗ مناکیر (تہذیب جلد ۴ صہ ۲۲۷) اور ابن حبانؒ کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی حسینؒ ہے اور ان کی ملاقات بھی حضرت جبیرؓ سے نہیں ہوئی (دیکھئے زیلعی جلد ۳ صہ ۶۱ وغیرہ) اور منقطع روایت غیر مقلدین حضرات کے نزدیک قابل استدلال نہیں ہے۔ باقی ابن حبانؒ کے صحیح کا یا ان کی تصحیح کا رعب ڈالنا تو بے کار ہے نہ تو ابن حبان کے صحیح کا رتبہ صحیح بخاری صحیح مسلم اور صحیح ابوعوانۃ جیسا ہے۔ اور نہ صرف ان کی تصحیح قابلِ اعتبار ہے (دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح وغیرہ) اور مطالعہ میں خوب وسعت پیدا کیجئے علاوہ ازیں ابن حبانؒ کی روایت یوں ہے۔

ایام التشریق ایام طعم انتہیٰ (موارد الظمآن صہ ۲۳۹) کہ ایام تشریق کھانے (پینے) کے دن ہیں۔

اس میں ذبح کا لفظ ہی نہیں ہے اور نزاع اس میں ہے۔ حافظ صاحب زاد المعاد کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہیں، کہ حضرت علیؓ عید کے بعد تین تک قربانی کے قائل تھے اور لکھتے ہیں کہ یہ اور پھر خلفاء میں سے حضرت علیؓ جو چوتھے برحق خلیفے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قربانی یوم النحر کے بعد تین دن تک جائز ہے اور پھر علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء نقل کر کے لکھتے ہیں۔

اب فرمایئے مولوی سرفراز خان صاحب کیا خلفاء راشدینؓ میں کوئی ایک خلیفہ بھی عید کے دن کے بعد دو دن قربانی کرنے کا قائل تھا۔ کوئی ایک صحیح سند ہی پیش کیجئے جس میں یہ ذکر ہو کہ حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا عثمانؓ عید کے بعد دو دن تک ہی قربانی جائز سمجھتے تھے (الہام قربانی ص؟)

جواب:۔ حافظ صاحب نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا وَیَتَّبِعُ بِالْمُسْتَطَابِ الْمُسْتَقِیْمُ آپ نے حضرت علیؓ کے اثر کی صحیح سند پیش کی ہے؟ جو حضرت العلام استاذی المکرم سے دیگر خلفاء کی صحیح سند مانگتے ہو۔ آپ حافظ قرآن ہیں آپ کو وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا الخ یاد ہی ہوگا پھر دوسروں سے یہ انوکھا مطالبہ کیا؟ حافظ ابن قیمؒ نے بھی حضرت علیؓ کا قول بلا سند نقل کیا ہے۔ اور امام نوویؒ لکھتے ہیں۔

وقال ابوحنیفۃ ومالک واحمد یختص بیوم النحر ویومین بعدہ وروی ھذا عن عمرؓ ابن الخطاب وعلیؓ وابن عمرؓ وانسؓ (شرح مسلم ج۲ ص۱۵۴)

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قربانی عید کے دن اور دو دن بعد کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت عمرؓ بن الخطاب اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت انسؓ سے بھی منقول ہے۔

لیجئے حضرت علیؓ کی روایت متعارض ہوگئی اور حضرت عمرؓ کی صحیح رہ گئی۔ فرمایئے اور کیا چاہتے ہیں؟ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں (جلد ۱ ص ۲۴۵)

وقال ابن ابی طالب ھی ثلاثۃ یوم النحر ویومان بعدہ اذبح فی ایھن شئت وافضلھا اولھا۔

حضرت علیؓ ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ قربانی کے تین دن ہیں عید کا دن اور دو دن اس کے بعد۔ ان تینوں میں جب چاہو قربانی کرو ان میں افضل دن پہلا ہے۔

حافظ صاحب لکھتے ہیں، عید کے بعد تین دن قربانی کے دلائل اور دلیل یہاں سے شروع

کہتے ہیں: اب آئیے دلائل کی طرف جو عید کے بعد تین دن تک قربانی کرنے کے حق میں ہیں یہ مسلک امام شافعیؒ اور ان کے سب مقلدین کا ہے۔

آگے لکھتے ہیں۔

جب چار دن امام برحق ہیں تو مولوی سرفراز خاں کو امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنے سے کیوں آگ لگ جاتی ہے چنانچہ سنا ہے کہ جب حافظ محمد یوسف صاحب نے تیرہ تاریخ کو قربانی ذبح کی تو مولوی سرفراز خاں صاحب فتویٰ دیتے ہیں کہ ان کی قربانی نہیں ہوئی (ایام قربانی ص۲)

جواب:۔ آپ تو حافظ قرآن ہیں آپ کو یہ آیت یاد ہوگی، اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ الآیۃ آپ کا فرض تھا کہ آپ پہلے تحقیق کر لیتے۔ ہمیں معلوم تھا اور مزید تحقیق کی گئی ہے۔ کہ حضرت العلام نے ان الفاظ میں فتویٰ نہیں دیا۔ فتویٰ کے الفاظ کچھ اور ہیں۔ پھر حافظ محمد یوسف صاحب جو محض ضد کی وجہ سے پہلے دن کی افضلیت کی سنت کو ہمیشہ چھوڑتے ہیں اس کی بھی آخر کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ سنا ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب نے جہاد کشمیر کے دنوں میں پٹھانوں کے خوف سے رفع یدین جیسی اہم سنت بھی چھوڑ دی تھی اگر یہ شنید صحیح ہے تو اس جوازی سنت پر ہمیشہ اصرار کیوں کرتے ہیں۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

علاوہ بریں کیا حافظ محمد یوسف صاحب امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کر کے شرک فی الرسالت کا ارتکاب تو نہیں کرتے ہیں؟ اہلحدیث تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہی کو حجت جانتا ہے۔ ائمہ کے اقوال اور مسالک سے ان کو کیا تعلق؟ حضرت العلام نے قربانی کے صرف تین دن ہونے پر امام ابن قدامہ حنبلیؒ کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی تھی۔

ولنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی ادخار لحوم الاضاحی فوق ثلاث ولا یجوز الذبح فی وقت لا یجوز ادخار الاضحیۃ الیہ (مغنی ابن قدامہ جلد ۹ ص۴۵۳) اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن سے زائد قربانی کا گوشت ذخیرہ رکھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ کیونکہ جس وقت تک قربانی کا گوشت

رکھنا درست نہیں اس وقت تک قربانی کرنا بھی صحیح نہیں ہے یہ روایت بخاری و مسلم وغیرہ میں مروی ہے چنانچہ حضرت سلمہؓ بن اکوعؓ سے روایت ہے :-

قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثالثۃ وفی بیتہ منہ شیئ۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تم میں سے قربانی کرنا چاہے تو تیسری رات کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہونی چاہیئے۔

یہ خطاب آپ نے عید کے دن (اور غالباً نماز کے بعد قربانی سے قبل) ارشاد فرمایا تھا جیسا کہ سنن کبریٰ میں یوم الاضحیٰ کی تصریح موجود ہے۔ واضح امر ہے کہ جب تیسرے دن میں قربانی کا گوشت رکھنا درست نہیں ہے۔ تو قربانی کا جانور ذبح کرنے سے کیا حاصل ؟ اس سلسلہ میں حافظ صاحب نے جو قابل توجہ اعتراضات کئے ہیں وہ سن لیں۔

ما معلوم نہیں مولوی سرفراز خاں صاحب نے وکالت کے لیے ابن قدامہ کو کیوں پسند کیا ہے الخ ص۱۳۔

جواب :- انہوں نے حضرت امام ابن قدامہ حنبلیؒ کو اس لیے وکالت کے لیے پسند کیا ہے تاکہ عملی طور پر وسعت نظری اور فراخ دلی کا ثبوت پیش کیا جائے نہ جیسا کہ آپ کے استاد محترم صاحب نے فریق ثانی کو تنگدل اور متعصب گردانا ہے۔ اگر تنگدلی کا پہلو پیش نظر ہوتا۔ تو پھر صرف کسی حنفی کا قول پیش کیا جاتا۔

ما حافظ صاحب کا یہ خام خیال ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب امام ابن قدامہؒ نے ہی بیان کیا ہے، اور حافظ صاحب نے حضرت امام ابن قدامہؒ کا حوالہ ہی سن کر آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔ حافظ صاحب ذرا مطالعہ کو وسعت دیجئے، اور حنفیوں، مالکیوں اور حنبلیوں کی کتابیں دیکھئے کہ کیا انہوں نے بھی یہ معنیٰ اور مطلب بیان کیا ہے یا نہیں، مشہور ہے جوئیندہ یابندہ۔

۲ اگر یہ معنیٰ کیا جائے کہ تیرہ کی صبح کو کسی کے گھر ایک بوٹی بھی نہ ہو تو اس حکم سے مہمان بیچارے یہی خیال کرتے ہوں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تیرہ کی صبح کو مدینہ سے نکالنا چاہتے

ہیں، اسی لیے تو دراصل یہ ہے کہ تیرہ کی صبح کو مدینہ میں کسی کے گھر گوشت نہ ہونا چاہیے، اس قسم کی بات تو کمزور سے کمزور اخلاق کا آدمی بھی اپنے مہمانوں سے نہیں کرتا۔ پھر آگے فرماتے ہیں۔ اور قربانی کبھی چار دن میں مہمانوں کی دلجوئی زیادہ ہوتی ہے۔

جواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اس لیے گوشت دینے کا حکم نہیں دیا تھا، تاکہ مہمانوں کے لیے کچھ رہے، بلکہ اس لیے حکم دیا تھا کہ تین دن سے زاید کا سب گوشت مہمانوں کے ہاں چلا جائے، اور وہ جب تک چاہیں کھائیں۔ حافظ صاحب سوء فہم سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہ اس صورت میں مہمانوں کے لیے کچھ نہ رہے گا۔ حالانکہ بعد ثلاث کا سب گوشت آپ مہمانوں کو دلوانا چاہتے ہیں۔ حافظ صاحب یہ تو فرمائیں کہ چار دن کی تحدید اگر ہو تو کیا مہمان بیچارے یہ خیال نہ کرتے ہوں گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چودہ کی صبح کو مدینہ سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اگر حافظ صاحب کی یہی منطق قابل قبول ہو تو کم از کم آخر ذوالحجہ تک قربانی جائز ہونی چاہیئے (جیسا کہ بعض حدیثیں سنن کبریٰ میں اس مضمون کی موجود ہیں اور حافظ صاحب کی ابن حبانؓ وغیرہ کی حدیث سے نسبتہً قوی) اگر حافظ صاحب ایسا نہ کریں گے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ مہمان اور میزبانوں کی نفسیات سے بالکل ہی ناواقف ہیں۔ اور انسانی نفسیات سے لاعلم شخص ہی ایسا مغالطہ کر سکتا ہے جیسا کہ حافظ صاحب کر رہے ہیں اور الضیافۃ ثلاثۃ یوم فما بعد ذالک فھو صدقہ الحدیث پر عمل کرتے ہوئے جمہور کا ساتھ دیں کہ الضیافۃ ثلاثۃ یوم کے ساتھ تین دن کی قربانی زیادہ مناسب ہے۔

۲۷ اگر ایک آدمی نے بارہ ذوالحجہ کو قربانی کی ہے۔ تو مولوی سرفراز خاں کے خیال میں وہ صرف اسی دن اپنی قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے۔

جواب :۔ یہ حکم صرف ایک سال مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے ہوا تھا، ہمیشہ کے لیے نہیں ہوا۔ اور ہم بھی حضرات صحابہ کرامؓ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ ابرو پر تن من دھن سب کچھ قربان کرنے والے تھے، ان کی قربانی اور ایثار کے پیش نظر ایک دن کا گوشت رکھنا بھی بڑی بات تھی۔ مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رأفت کی وجہ سے ان کو تین دن

کی اجازت ملی تھی، آپ تو حافظ قرآن ہیں آپ کو یہ آیت یاد ہوگی وَیُؤثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

۵۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ نص ہے، شاید آج تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ نص کسے کہتے ہیں؛

جواب:۔ شاید نہیں بلکہ یقیناً بے خبری ہے ابھی تک شاید حافظ صاحب قرآن کریم حفظ کرتے رہے ہیں، اب کسی عمدہ مدرسہ میں چلے جائیں اور کامل استاد سے اصول کی چند کتابیں پڑھیں، وہ نص کا مطلب اور اقسام بتلا دیں گے۔ یہ دقیق علوم ہیں محض مولوی فاضل کی ڈگری سے حاصل نہیں ہوتے۔

۶۔ حافظ صاحب ایک حدیث نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں نقل کرتے ہیں کہ جب ہم سفر میں ہوتے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے کہ ہم تین دن اور ان کی راتیں موزے نہ اتاریں۔ کہتے ہیں مولوی سرفراز صاحب کو اس سے استدلال کرنا چاہیئے کہ سفر تین دن تک ہی ہوتا ہے الخ

جواب:۔ آپ کا یہ قیاس مع الفارق بلکہ فاسد ہے، کیونکہ قربانی کی حدیثوں مثلاً فوق ثلاث بعد ثلاث اور بعد ثالثہ میں لفظ فوق اور بعد کی تصریح ہے اس لیے استدلال لفظ ثلاثہ سے ہی نہیں بلکہ بعد ثلاثہ سے استدلال ہے۔ اور آپ نے جو حدیث پیش کی ہے نہ اس میں لفظ فوق ہے اور نہ لفظ بعد اس لیے پہلے قیاس کا مفہوم سمجھ لیجیے کہ آیا مطلق اور مقید میں کچھ فرق ہوتا ہے یا نہیں اور پھر قیاس کیجیے۔

۷۔ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا ترجمہ جو مولوی سرفراز خاں نے اپنے پمفلٹ مسئلہ قربانی کے ص۱۵ پر کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ من ضحی منکم کا ترجمہ کرتے ہیں جو شخص تم میں سے قربانی کرنا چاہے حالانکہ اس کا ترجمہ ہے۔ جو شخص قربانی کرے تم میں سے، اور اسی طرح وبقی فی بیتہ منہ شئ کا معنی بھی غلط کیا ہے۔

جواب:۔ حافظ صاحب بات سمجھنے کی کوشش فرمایئے۔ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی سے قبل خطبہ کے موقعہ پر فرمائے تھے، اور فعل قربانی سے پہلے صرف ارادہ اور مشیت ہی ہوگی، اس لیے قاعدہ کے لحاظ سے یہ ترجمہ غلط نہیں ہے۔ اگر آپ کو اس پہ اصرار ہے کہ

چاہے کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے ؟ صحیح مسلم وغیرہ میں قربانی ہی کے سلسلہ کی یہ حدیث ملاحظہ کریں ۔ من اراد منکم ان یضحی جو شخص تم میں سے قربانی کرنا چاہے والحدیث یفسر بعضہ بعضاً اور شیٔ کے ترجمہ کا غلط ہونا صرف آپ کا دعویٰ ہے ۔ اساتذہ کرام سے لحوم کے بعد شیٔ کی تعمیم اور تنکیر کا معنیٰ دریافت کر لیجیے ۔ کہ اس نوع کی ادنیٰ ترین چیز جو عموماً مستعمل ہے وہ بوٹی کے علاوہ اور کیا ہے ؟ اگر کوئی اور غلطی ہے تو کھل کر بتلائے معنی شعر در بطن شاعر کو چھوڑیئے نیز کیا من ضحی منکم کا صحیح معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص قربانی کرے تم میں سے یا یہ کہ جس نے قربانی کی تم میں سے یا یہ کہ جس نے قربانی کی تم میں سے فرمایئے بات کیا ہے ؟ محض شرط پر ہی نہ بھولے رہیئے ۔

۸۔ حافظ صاحب کہتے ہیں کہ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم قربانی کے پائے بچا رکھتے تھے اور دس دن تک کھاتے رہتے تھے ۔ اور بخاری شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قربانی کا گوشت مدینہ بھیجنے تک ذخیرہ رکھتے تھے ۔ پھر آگے لکھتے ہیں ، چنانچہ یہ حالات بتا رہے ہیں ، کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا تا کہ مہمان کو افراط سے گوشت مل سکے اور لوگ پہلے کی طرح دس دس پندرہ پندرہ روز گھر میں ذخیرہ کر کے مہمانوں کے لیے دقت پیدا نہ کریں ۔

جواب :۔ مدینہ بھیجنے تک کا معنیٰ تو حافظ صاحب ہی بہتر جانتے ہوں گے کہ یہ کس حدیث کا معنیٰ ہے اور یہ بھی کہ مہمانوں کو افراط سے گوشت اس صورت میں مل سکتا تھا جو جمہور بیان کرتے ہیں یا اس صورت میں کہ جو حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ تیرھویں کو قربانی ہو اور تین دن بعد تک کا گوشت بھی رکھ لیا جائے (کل سات دن ہوئے) لیکن حافظ صاحب بخاری شریف اور نسائی شریف وغیرہ کی طرف مراجعت فرمالیں اور ذرا مطالعہ کو وسعت دیں ۔ کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت جابرؓ کا یہ بیان کہ ہم دس یا پندرہ دن قربانی کا گوشت رکھ لیتے تھے ۹ھ سے پہلے سے متعلق ہے ۔ جیسے حافظ صاحب کو تاہ فہمی سے سمجھ رہے ہیں یا بعد کا ہے ؟

۹۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں علاوہ ازیں تین دن سے زائد گوشت رکھنے کی ممانعت کی حدیث بھی منسوخ (ص۲۵) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں ۔ اور جس حدیث سے کھینچا تانی کر کے

مولوی سرفراز خاں اپنا مسلک ثابت کرنا چاہتے تھے وہ بھی منسوخ ہے (ص۲۶)

جواب :- حافظ صاحب اگر آپ نے علامہ ابو جعفر النحاسؒ کی الناسخ والمنسوخ یا علامہ الحازمیؒ کی کتاب الاعتبار یا امام سیوطیؒ کی اتقان یا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی الفوز الکبیر نہیں دیکھی تو کم از کم نواب صاحبؒ کی افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ تو دیکھ لیتے۔ کہ اس حدیث میں کوئی خاص جزو منسوخ ہے یا ساری منسوخ ہے۔ اور جو جزو منسوخ ہے وہ بھی سب کے نزدیک ہے یا کسی کے نزدیک نہیں بھی چنانچہ نواب صاحبؒ لکھتے ہیں۔

و بعضے گفتہ اند ایں نسخ نیست بلکہ تحریم بعلتے بود چوں آں علت زائل شد تحریم ہم زائل گردید (ص۱۰۴) حافظ صاحب ذرا مطالع کو وسعت دیجئے اور اپنے محترم استاد مولانا محمد اسماعیل صاحب کو مشورہ دیجئے، اور بندہ ان کی خدمت اقدس میں انتہائی ادب سے کہ جیسے ادب سے ایک شاگرد اپنے استاد کی خدمت میں درخواست کر سکتا ہے عرض رساں ہے کہ وہ اپنے مخالف کو تنگدل، کم فہم اور متعصب وغیرہ کے کریہہ الفاظ سے نہ یاد کیا کریں۔ وَلَئِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا (الآیۃ) وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ وجمیع متبعیہ الیٰ یوم القیامۃ (آمین ثم آمین)

۱۸ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ / ۸ اگست ۱۹۵۵ء

ضمیمہ

بعض سطحی قسم کے لوگوں نے قربانی کے چار دن ہونے پہ بزعم خود ایک اور دلیل بھی پیش کی ہے لیکن وہ شبہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی وہ یہ کہ بڑی عید کے بعد احناف کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق تین دن تک ہر فرضی نماز کے بعد بلند آواز سے یہ تکبیر پڑھنی ضروری ہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ اور تیرھویں تاریخ کی عصر کی نماز تک یہ تکبیر ان کے نزدیک ثابت ہے تو جس طرح یہ تکبیر تیرھویں تاریخ کی عصر تک جائز اور درست ہے اسی طرح قربانی بھی جائز ہونی چاہیئے اس لحاظ سے قربانی کے دن عید کے بعد تین ثابت ہوئے اور بقول یوم عید کے کل چار ایام ہو گئے گویا اس قیاس کے ذریعہ ان لوگوں نے قربانی کے چار دن تجویز کئے لیکن یہ ان کا نرا مغالطہ اور قیاس مع الفارق ہے یہ ٹھیک ہے کہ عندالاحناف صحیح قول کے مطابق ایک دفعہ یہ تکبیر پڑھنی واجب ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تین دفعہ (ملاحظہ ہو عینی شرح کنز ص۵۱) لیکن قربانی کو اس پہ قیاس کرنا ہرگز درست نہیں ہے اولاً اس لیے خود حضرت ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ میں اختلاف ہے کہ عید کے دن تک ہی یہ تکبیر درست ہے یا تیرھویں تاریخ تک؟ فتویٰ گو دوسری بات پر ہے مگر اصل مقیس علیہ میں اختلاف ہے اور اصول کے لحاظ سے اصل مسلّم ہونا چاہیئے تب جا کر قیاس درست ہو سکتا ہے وثانیاً اگر قربانی کے مسئلہ کو تکبیر پر قیاس کرنا درست ہے تو تکبیر نویں ذوالحجہ کو فجر کی نماز کے بعد شروع کی جاتی ہے حالانکہ عید کے دن سے پہلے قربانی کا ائمہ دین میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ قربانی عید کی نماز کے بعد ہی جائز ہے اگر کسی نے غلطی سے قربانی پہلے کر دی تو اس کو عید کی نماز کے بعد دوبارہ قربانی کرنا ضروری ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم کی صحیح حدیث میں اس کی تصریح ہے ہاں اگر کوئی شخص ایسے مقام پہ رہتا ہو جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی (مگر یہ یاد رہے کہ عید اور جمعہ کی نماز کی شرطیں تقریباً ایک ہی ہیں جہاں جمعہ درست ہے وہاں عید بھی جائز ہے اور جہاں جمعہ کی نماز درست نہیں

وہاں عید بھی نہیں، تو ایسے شخص کو عید کا دن طلوع ہو چکنے کے بعد قربانی کرنا جائز ہے فقہاء کرام نے اس کی تصریح کردی ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان وغیرہ) الغرض اس شبہ سے بھی قربانی کے لیے چار دن تجویز کرنا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحیح بات سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وعلیٰ
آلہٖ واصحابہٖ وجمیع من آمن بہٖ الیٰ یوم الدین